فون نمبر: 35863260 35862956 مدیر: چوہدری ریاض احمد نائب مدیر: حامد رحمٰن رجسٹرڈ ایل نمبر: 8532 قیمت فی پرچہ -/10 روپے
Email: centralanjuman@yahoo.com

جلد نمبر 100 | 18 صفر تا 18 ربیع الاوّل 1434 ہجری یکم جنوری تا 31 جنوری 2013ء | شمارہ نمبر 2-1

احمدیہ انجمن لاہور کی خصوصیات

- آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ نیا نہ پرانا۔
- کوئی کلمہ گو کافر نہیں۔
- قرآن کریم کی کوئی آیت بھی منسوخ نہیں نہ آئندہ ہوگی۔
- سب صحابہ اور آئمہ قابل احترام ہیں۔
- سب مجددوں کا ماننا ضروری ہے

ارشادات عالیہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام

اب شفیع صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

نوع انسان کے لئے اب روئے زمین پر کوئی کتاب نہیں مگر قرآن اور تمام آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ وجلال کے نبیؐ کے ساتھ رکھو اور اس کے غیر اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو۔ تا آسمان پر تم نجات یافتہ لکھے جاؤ اور یاد رکھو کہ نجات وہ چیز نہیں جو مرنے کے بعد ظاہر ہوگی بلکہ حقیقی نجات وہ ہے کہ اسی دنیا میں اپنی روشنی دکھلاتی ہے۔ نجات یافتہ کون ہے؟ وہ جو یقین رکھتا ہے۔ کہ خدا سچ ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس میں اور تمام مخلوق میں درمیانی شفیع ہے اور آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم مرتبہ کوئی اور رسول ہے اور قرآن کے ہم مرتبہ کوئی اور کتاب ہے اور کسی کے لئے خدا نے نہ چاہا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے۔ مگر یہ برگزیدہ نبی ہمیشہ کے لئے زندہ ہے۔۔۔ موسیٰ علیہ السلام نے وہ متاع پائے جس کو قرون اولیٰ کھو چکے تھے اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ متاع پائے جس کو موسیٰ علیہ السلام کا سلسلہ کھو چکا تھا۔ اب محمدیؐ سلسلہ موسویؑ کے قائم مقام ہے مگر شان میں ہزار ہا درجہ بڑھ کر۔ (کشتی نوح ص 13)

غیرتِ عشق

''جولوگ ناحق خدا سے بےخوف ہوکر ہمارے بزرگ نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بُرے الفاظ سے یاد رکھتے ہیں اورآنجناب پرناپاک تہمتیں لگاتے اور بدزبانی سے بازنہیں آتے ان سے ہم کیونکرصلح کرلیں۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ ہم شورہ زمین کے سانپوں اور بیابانوں کے بھیڑیوں سے صلح کرسکتے ہیں، لیکن ان لوگوں سے ہم صلح نہیں کرسکتے جو ہمارے پیارے نبی پر جوہمیں اپنی جان اور ماں باپ سے بھی پیارا ہے ناپاک حملے کرتے ہیں خدا ہمیں اسلام پر موت دے ہم ایسا کام نہیں چاہتے جس میں ایمان جاتا رہے''۔(پیغام صلح،ص۳۰)

اگر یہ لوگ ہمارے بچوں کو ہماری آنکھوں کے سامنے قتل کرتے اور ہمارے جانی اور دلی عزیزوں کو جو دنیا کے عزیز ہیں ٹکڑے ٹکڑے کرڈالتے اور ہمیں بڑی ذلت سے جان سے مارتے اور ہمارے تمام اموال پر قبضہ کرلیتے تو واللہ ثم واللہ ہمیں رنج نہ ہوتا اور اس قدر کبھی دل نہ دکھتا جو ان گالیوں اور اس توہین سے جو ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کی گئی دکھا''۔
(آئینہ کمالات اسلام،ص۵۲)

ترجمہ:''اور میرے دل کو کسی چیز نے اس قدر تکلیف نہیں دی جس قدر ان کے استہزا اور ہتک عزت نے جو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کرتے ہیں۔خدا کی قسم اگر میری تمام اولاد میری آنکھوں کے سامنے ذبح کردی جاتی اور میرے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جاتے اور میری آنکھیں نکال دی جاتیں اور میں اپنی تمام مرادوں سے نامراد اور ہر قسم کے آرام وآسائش سے بےنصیب کیا جاتا تب بھی یہ بات مجھ پر زیادہ شاق نہ گزرتی''۔(آئینہ کمالات اسلام،ص۱۵)

افتتاحی خطاب

برموقع سالانہ دعائیہ 2012ء، فرمودہ حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

بمقام جامع دارالسلام، لاہور

اللہ بے انتہا رحم والے، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے۔

سب تعریف اللہ کے لئے ہے، (تمام) جہانوں کے رب، بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے، جزا کے وقت کے مالک (کے لئے)۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں تو ہم کو سیدھے رستے پر چلا۔ ان لوگوں کے رستے (پر) جن پر تو نے انعام کیا نہ ان کے جن پر غضب ہوا اور نہ گمراہوں کے۔

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے آج پاکستان اور بیرون ممالک کے احمدی بہن بھائیوں کو دوبارہ اس چھت کے نیچے جمع کیا ہے۔ سورۃ فاتحہ کی تلاوت میں نے اللہ کا شکر ادا کرنے کے لئے کی ہے اور اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے وہ کم ہے۔ سب تعریف اسی کے لئے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے اس دعا سے میں اس سالانہ دعائیہ کا آغاز کرتا ہوں کہ:

"اللہ تعالیٰ اس دعائیہ کو کامیابی عطا فرمائے، اس کو بامقصد بنائے اور اس کی وجہ سے لوگوں میں باہمی محبت بڑھے اور ان کا جو رشتہ اس جماعت کی وجہ سے ہے وہ اور مضبوط ہو۔ اس بھائی چارے کی فضاء کو لے کر وہ واپس جائیں اور وہ جہاں بھی جائیں اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرمائے۔ اللہ تعالیٰ اس جماعت پر اپنی نگاہِ کرم رکھے اور اس کے ہر فرد کو اپنی حفاظت میں لے لے۔"

میں اللہ تعالیٰ کا شکر عطا کرتا ہوں کہ اس سال بھی بیرون ممالک سے لوگوں نے اپنا وقت نکالا، خرچہ برداشت کیا اور لاہور دعائیہ میں شمولیت کے لئے تشریف لائے۔ پاکستان کی تمام جماعتوں میں سے لوگ آئے ہوئے ہیں اور میں ان کو بھی خوش آمدید کہتا ہوں۔ جہاں کہیں اجتماع، جلسے، سیمنار ہوتے ہیں لوگ وہاں اپنے اپنے مقاصد لے کر پہنچتے ہیں۔ کوئی سائنس کا علم بڑھانے کے لئے، کوئی دنیاوی تعلیم کو فروغ دینے اور کوئی اپنا علم بانٹنے کے لئے جاتا ہے۔ لیکن ہمارا یہ دعائیہ اس زمانے کے امام نے ایک خاص مقصد کو مدنظر رکھتے ہوئے شروع کیا اور اللہ تعالیٰ کا ہم شکر ادا کرتے ہیں کہ ہم ان کی اس بنیاد پر قائم ہیں۔ باوجود مسائل کے اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرماتا ہے تو ہم اکٹھے مل کر اپنے لئے، اپنی اس جماعت کے لئے، اس عزیز وطن کے لئے، مسلم و غیر مسلم ممالک اور تمام دنیا میں امن کے لئے بھی دعائیں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے یہ بھی دعا ہے کہ وہ ہماری تمام دعائیں جو ہم ان دنوں میں مانگیں انہیں قبولیت عطا فرمائے۔

جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں کہ ہر قسم کے اجتماع ہوتے ہیں لیکن ان کا نصب العین بہت ہی محدود اور دنیاوی قسم کے فائدوں کے لئے ہوتا ہے لیکن یہاں پر جو ہمارا جمع ہونا ہے وہ خالصتاً خدا کی رضا حاصل کرنے کے لئے ہے۔ **اور یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس مقصد میں بھی کامیابی عطا فرمائے اور اس کی وجہ سے جو ہمارے دلوں میں ایک نیکی کی بنیاد پڑے اور جو تخم لگ جائے اللہ تعالیٰ اس کو برکت عطا فرمائے اور وہ دیرپا ہو، ہماری زندگیوں میں تبدیلیاں لانے والے خیالات فروغ پائیں اور وہ روحانیت کی طرف بدل جائیں۔ آمین**

جو بھی مہمان آتے ہیں ان کو ہماری طرف سے ہر قسم کی آسائش اور آرام

دینے کی کوشش ہوتی ہے لیکن جہاں پر کثیر التعداد لوگ آئیں وہاں پر طبیعتوں میں بھی فرق ہوتا ہے، تقاضوں میں بھی فرق ہوتا ہے اور کوئی نہ کوئی ناخوش ضرور لوٹتا ہے لیکن ہماری یہ کوشش ہوگی کہ ہم اپنی طرف سے جتنی آپ کی خدمت کرسکیں وہ کرتے رہیں۔ جیسے کوئی اپنے گھر میں آتا ہے اس کو روکھی سوکھی ملے، اوڑھنے بچھونے میں کمی آئے وہ اس کو اپنا گھر سمجھ کر اس محبت کی خاطر جو حاصل کرنے آتا ہے برداشت کرتا ہے۔ یہی مجھے آپ سب کو کہنا ہے کہ آپ اس کو ایک روحانی ماحول سمجھیں جس کے لئے دنیاوی چیزوں کو کچھ دن چھوڑنا بھی پڑ جاتا ہے۔ تو اس صبر سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ جو پانچ چھ دن ہمیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں ان کا ہم پورا پورا فائدہ اٹھائیں۔

میں دیکھتا ہوں کہ یہاں پر والدین کی گودوں میں بچے بھی ہیں اور جس طرف نگاہ جاتی ہے جوان بہت کثرت سے نظر آرہے ہیں۔ ایک رونق سی بن گئی ہے جیسے کسی گھر میں ایک تقریب ہو تو بہت سارے بچے آجاتے ہیں تو سب کے لئے خوشی کا موجب ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہمیں بھی بہت خوشی ہو رہی ہے کیونکہ یہ ہماری آئندہ آنے والی جماعت کے تخم ہیں۔

اس منصب پر آئے مجھے دس سال گذر چکے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دے کہ جو محنت میں نے دل کی گہرائیوں سے کی ہے اللہ اس میں برکت ڈالتا رہے اور اس کے فائدے دیرپا ہوں۔ جماعت کے بچوں کا ہمیں خصوصی خیال کرنا ہے کیونکہ انہوں نے ہی آگے جماعت چلانی ہیں۔

میں مثال دیتا رہتا ہوں کہ جب کوئی سیب کاٹے تو اس کے اندر سے پانچ یا چھ بیج نکلتے ہیں۔ ہم سیب کاٹے بغیر اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس کے اندر کتنے بیج ہیں لیکن یہ کوئی بھی نہیں بتا سکتا کہ اس سیب کے ہر بیج کے ذریعہ جو درخت اُگے گا اس پر سالہا سال کتنے سیب لگتے رہیں گے۔ ہر سیب کے درخت پر اوسطاً 400 سیب اُگتے ہیں تو اس طرح ہر پھلوں کے موسم میں ایک درخت پر نئے تقریباً 2,000 بیج اگ رہے ہوتے ہیں۔ **یہ بچے اور نوجوان ہماری جماعت کے بیج ہیں ان کا خیال رکھنا اور ان کی تعلیم ہمارا فرض بنتا ہے۔**

مسیح موعودؑ کا فرمان ہے کہ اس جماعت کو وہ کثرت سے پوری دنیا میں پھیلائے گا اور اس کا مشاہدہ میں اپنے حال کے بیرون ملک دورہ جات میں کر کے آیا ہوں۔ **ہم پوری لگن سے لٹریچر کے ذریعہ اور تبلیغی سرگرمیوں کی وجہ سے انشاء اللہ ہر ملک میں اسلام کا امن والا پیغام پہنچائیں گے۔**

اس سال اگر دیکھا جائے تو بہت سے فرد ایسے ہیں جو اس وقت ایک دُکھ لئے بیٹھے ہوں گے کہ کاش اس وقت ہمارے درمیان ہمارے عزیز بھی بیٹھے ہوتے جو اس وقت نہیں ہیں۔ ان کے لئے میں اپنے اس خطاب کے آخر میں دعا کروں گا۔ لیکن یہ یقین جانیں کہ وہ پانچ چھ نام جنہوں نے اس جماعت میں اپنا مقام پایا ان کی کمی کوئی پوری ہونی بظاہر مشکل ہے لیکن اللہ سے دعا ہے کہ وہ اس کمی کو پورا کرے۔ جتنے لوگ بھی ہم سے بچھڑے چاہے پاکستان میں یا غیر ممالک میں وہ ہمارے قیمتی سرمایا تھے۔ لیکن جن لوگوں نے اس جماعت کے لئے بے انتہاء خدمات کیں اور وہ ہماری اس جماعت کے لاہور سینٹر سے بھی وابستہ رہے۔ اور ان کی دعائیں ہمارے لئے ایک امید کی راہ تھیں۔ ان کی کمی میں خاص کر محسوس کر رہا ہوں۔ **ملک سعید احمد صاحب** ہمارے بزرگ تھے۔ آج سے دس سال پہلے جو میں نے پہلی تقریر کی تھی ان میں پہلا ذکر میں نے ان کا ہی کیا تھا۔ وہ ہمارے الہام اور کشف پانے والے ایک بزرگ تھے جن کی دعاؤں کا سہارا ہمیشہ اس جماعت کو رہتا تھا اور ان کی دعائیں انشاء اللہ رائیگاں نہیں جائیں گی۔ **قاضی عبد الاحد صاحب** ایک بہت بڑے عالم اور عظیم شخص تھے جن کی خدمات ہم کبھی نہیں بھولیں گے۔ **فیض الرحمٰن صاحب** جن کو ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ احمدیت کی انسائیکلوپیڈیا تھے۔ ہر خاندان کے ہر بچے، ہر رشتہ دار کا نام ان کے ذہن میں اللہ تعالیٰ نے ڈال رکھا تھا۔ **فخر الدین صاحب** جنہوں نے جتنی عمر پائی اس میں سے آخری دو سالوں میں بھی ہماری کتابوں کی پروف ریڈنگ کی ذمہ داری اپنے ذمے لے رکھی تھی۔ **اکبر عبد اللہ صاحب** جنہوں نے اپنے HOPE میگزین کے ذریعہ تمام عالمی جماعتوں کو اکٹھے باندھے رکھا۔ عورتوں کی تنظیم میں شدت سے جن کی کمی محسوس ہو رہی ہے وہ اس تنظیم کی روح رواں **ریحانہ ریاض صاحبہ** تھیں۔

ہماری جماعتیں اس سال بہت آزمائی گئیں ہیں، خاص کر سرائے نورنگ،

سفید ڈھیری، پشاور میں ہمیں بڑی آزمائشوں کا سامنا ہے۔ اس سال کا اگر کوئی ایک پیغام میں اس دعائیہ کے موقع پر دے سکوں تو وہ یہ ہے کہ ایک تو ہم سب ان لوگوں کا یا کسی کو بھی جو تکلیف آئے اس کا درد اپنا درد سمجھیں اور ان کے لئے بھی دعائیں کرتے رہیں کہ اللہ ان کے مسائل حل کر دے **اور ہم امید اور دعا اور صبر کا ساتھ نہ چھوڑیں کیونکہ جب ناامیدی آجاتی ہے تو وہ انسان کو خدا سے دور کرنے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ ہم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ پر یقین رکھیں جو تمام مصیبتیں دور کرنے والا ہے۔ وہ علی کل شی قدیر ہے اور اسی نام کا واسطہ دے کر ہم اس سے رحم اور مدد مانگیں تو وہ ضرور اس کو سنے گا۔**

حضرت مولانا نورالدینؒ نے فرمایا ہے کہ ہم ہمیشہ گھر میں داخل ہونے کے لئے دروازوں پر بھروسہ کرتے ہیں لیکن کبھی یوں ہوتا ہے کہ جب ضرورت ہوتی ہے تو دروازہ ہم بند پاتے ہیں۔ اس لئے ان کی نصیحت ہے کہ **دروازوں کے بجائے اللہ پر بھروسہ کرو اور ہر آزمائش میں اسی سے مانگو اور صبر سے مانگتے رہو۔**

ہماری دعاؤں میں ایک بے صبری آجاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے کیونکہ وہ آزمائشیں اس لئے دے رہا ہوتا ہے کہ وہ ہمیں اپنے قریب لے آئے۔ آزمائشیں ہی ایک ذریعہ ہے جس سے خدا تعالیٰ کی قربت حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے اس کا بھی شکر ادا کرنا چاہیے کہ وہ ہمیں اس قابل سمجھتا ہے کہ وہ ہمیں آزما رہا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ:

''جو آزمایا نہ جائے وہ یہ سوچے کہ مجھ میں کیا کمی ہے کہ میں آزمایا نہیں جا رہا'' ہماری جماعت کی بنیاد ہے کہ اللہ دعائیں سنتا ہے اور ان کا جواب دیتا ہے۔

صبح کے درس میں بھی بتایا گیا کہ کسی نے پیشگوئی کی کہ ''ساری دنیا 21 دسمبر کو ختم ہو جائے گی'' اور لوگوں میں خوف و ہراس پھیل گیا لیکن مسلمان قدرے امن اور سکون میں تھے۔ ایک قرآن کی ہی آیت اس امن کا ذریعہ بننے کا موجب ہے کہ **''قیامت کی گھڑی صرف اللہ کو ہی معلوم ہے''**۔ اس زمانہ میں ہم نے بھی بھروسہ دروازوں پر کر رکھا ہے کہ اگر اندر جانا پڑا تو ہم دوڑ کر اندر چلے جائیں گے۔ اللہ پر بھروسہ ہمارا کم نہیں ہونا چاہیے۔

ہم یہ سوچنا بند کر دیں کہ کوئی ایسا لیڈر آئے گا جو احمدیوں کو بھی پھر سے مسلمان کہہ دے گا، کوئی ایسا جج آجائے گا، کوئی ایسا صدر آجائے گا، ایسے حالات بن جائیں گے جو فوراً کہیں گے کہ واپس لو اپنا فیصلہ۔ ادھر ہم نے چھوٹے چھوٹے دروازوں پر بھروسہ کرنا شروع کیا ہوا ہے اور وہ دروازے ان کے ذریعہ نہیں کھلیں گے۔ **اگر ہمارے پاس کوئی ذریعہ ہے تو وہ ہے دعا کا راستہ۔ خدا سے جب ہم صراط الذین انعمت علیھم مانگتے ہیں تو ساتھ ہی یہ بھی سودا کر لیتے ہیں کہ جب ہمیں وہ راہ ملے گی تو ساتھ ایک مصیبت بھی آئے گی۔** اگر یوں نہ ہوتا اور اگر یہ بھروسہ دل میں نہ ہوتا تو پھر صاحبزادہ عبداللطیف شہید کیوں پتھروں کے نیچے دب کر اپنی جان دے دیتے۔ یہ کوئی ایسی گولی نہیں تھی جو پیچھے سے کسی نے چلا دی۔ یہ ایسے پتھر تھے جو انہوں نے اپنی آنکھوں سے اپنے اوپر برستے دیکھے اور قبول کیے اور اپنی زندگی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے شہادت کو ترجیح دی اور ایک ایسا نمونہ ہمارے لئے چھوڑ گئے۔ اس پر اللہ ہمیں عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور جب ہم **اھدنا الصراط المستقیم** کہتے ہیں تو ساتھ ہم مانگتے ہیں وہ راستہ جن پر انعام ہوا۔

اس کے بعد آتا ہے **غیر المغضوب علیھم ولا الضالین** تو ہم فوراً فیصلہ کر لیتے ہیں کہ یہ عیسائی اور یہودی ہیں۔ لیکن حضرت صاحب فرماتے ہیں کہ یہ اس دعا کے ذریعہ جب آپ **انعمت علیھم** مانگتے ہیں تو ساتھ مصیبتیں آئیں گی اور ایسی ایسی مصیبتیں بھی آئیں گی کہ آپ کا گمراہ ہو جانا یا خدا کی ناراضگی آجانا ممکن ہو سکے گا۔ اس لئے یہ دعا بھی ہمارے لئے ہی ہے کہ ہمیں اس حالت تک اللہ نہ پہنچائے۔ ہمارے اوپر طاقت کے مطابق آزمائش آئے، اتنی بھی نہ آئے کہ ہم جو سیدھی راہ جو مانگتے ہیں اس کو ہم چھوڑ کر علیحدگی اختیار کر لیں۔ تو اللہ تعالیٰ سے یہ دعا ہے کہ جو آزمایا جا رہا ہے اللہ اس کے ساتھ ہمت اور طاقت بھی عطا فرمائے اور ہمارے لئے یہ قبولیت دعا کا دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے۔ اس زمانے کے امام نے ہمارے دلوں میں ایک بات ڈالی ہے کہ وہ دروازہ اگر بند بھی مل جائے تو اس کی چابی دعا ہے۔ ہمارے لئے یہ دعائیہ ایک نیا موقع ہے کہ ہم اپنی دعاؤں پر یقین کرنا شروع کر دیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یوں فرمایا ہے کہ اپنے تمام گناہوں سے توبہ کریں، توبہ کرنے کے بعد اپنی اصلاح کریں اور اپنے اندر عاجزی پیدا کریں، کیونکہ عاجزی سے جب دعا کی جاتی ہے تو اس میں قبولیت آتی ہے۔ اس طرح دعا کی قبولیت کے لئے کچھ شرائط ہیں یعنی عاجزی، توبہ اپنی اصلاح، غرور سے بچنا اور استقامت سے دعا کرنا۔ جو علاج کرنے مسیح آیا تھا اس نے نسخہ کی کامیابی کے لئے یہ شرائط دے دیں کہ یہ کرو گے تو یہ پاؤ گے۔

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ:

”صبر اور عاجزی سے دعا کرو، کبھی کسی پتھر کے اوپر سبزہ نہیں اگتا صرف پھول خاک میں سے نکلتے ہیں“ اپنے آپ کو خاک اور مٹی سے بھی نیچے تصور کرو تا کہ اس میں وہ پھول نکل سکیں جن کے تم خواہش مند ہو۔ اور خدا تعالیٰ نے اس جماعت کو خوش قسمت جماعت بنایا ہے کہ ہمارے امام نے یہ ثابت کیا ہوا ہے کہ دعاؤں کی قبولیت اور خدا کے ساتھ تعلق پر ہم یقین رکھتے ہیں اور حضرت صاحب کی اپنی عاجزی کا تصور آپ ان کی درج ذیل عبارت سے لگا سکتے ہیں:

”میری اس میں کیا کسر شان ہے، اگر کوئی مجھے کتا کہے، کافر کہے یا دجال کہے اگر اللہ مجھ سے راضی ہے تو مجھے کچھ فرق نہیں پڑتا، چاہے کوئی مجھے جو بھی کہے اور اگر وہ مجھ سے راضی نہیں تو کتے کی طرح کیا ہزاروں کتوں سے بھی میں بدتر ہوں“۔

تو ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ کی رضا حاصل کرنے میں مشغول رہیں۔ اور جس ہدایت کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبیوں میں آخری نبی لائے اور جو کتاب اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں آخری کتاب لے کر آئے اور جو ایک نبیؐ نے اپنا نمونہ حدیث میں ہمیشہ کے لئے چھوڑا اس پر ہم عمل کریں تو تب وہ خوشخبریاں جو ہماری جماعت کے لئے ہیں اللہ تعالیٰ پوری کرے گا۔

اس خطاب کا اختتام میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب ”ازالہ اوہام“ کی اس عبارت سے کرتا ہوں:

”اللہ تعالیٰ اس گروہ کو بہت بڑھائے گا اور ہزار ہا صادقین کو اس میں داخل کرے گا وہ خود اس کی آبپاشی کرے گا اور اس کو نشو و نما دے گا یہاں تک کہ ان کی کثرت اور برکت نظروں میں عجیب ہو جائے گی اور وہ اس چراغ کی طرح جو اونچی جگہ رکھا جاتا ہے دنیا کے چاروں طرف روشنی پھیلائیں گے اور اسلامی برکات کے لئے نمونہ ٹھہریں گے۔ وہ اس سلسلہ کے کامل متبعین کو ہر ایک قسم کی برکت میں دوسرے سلسلوں پر غلبہ دے گا اور ہمیشہ قیامت تک ان میں سے ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جن کو قبولیت اور نصرت دی جائے گی۔ اس رب الجلیل نے یہی چاہا ہے وہ قادر ہے، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، ہر ایک طاقت اور ہر ایک قدرت اسی کی ہے۔“

اس میں جو ہمارے فرائض بنتے ہیں وہ تقویٰ کی راہیں اختیار کرنا، جہاں محسوس کریں کہ ہم میں کمی ہے تو ہم اپنے آپ کو اس شیشہ میں دیکھیں جس میں ہمیں نظر آئے کہ ہمارے اندر کیا کوتاہیاں ہیں۔ ان کو درست کرنے کی ہم تمام کوشش کریں۔ قرآن پڑھیں، اسے سمجھیں اور اس پر عمل کریں اور پھر ہم کس معیار پر ہیں اس کا عکس ہم قرآن کی تعلیم کے معیار پر پرکھیں۔

آخر میں اس سال بہت سے عزیز جو ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں ان کے لئے ہم مل کر دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سب کی مغفرت فرمائے اور ان کے لواحقین کو صبر عطا فرمائے۔ آمین

(تمام فوت شدگان کا فرداً فرداً نام لے کر حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ اور حاضرین نے مل کر دعا فرمائی۔)

☆☆☆☆

اسلامی نظام کیسے قائم ہوتا ہے؟

از: چوہدری ناصر احمد صاحب (شاہدرہ)

رسولوں کا فریضہ ہوتا ہے کہ وہ خدا کا پیغام دوسروں تک پہنچائیں اور اس پیغام کے مطابق ایسا معاشرہ، نظام اور مملکت قائم کر کے دنیا کو محسوس کرا دیں کہ اس پیغام پر عمل کرنے سے اس قسم کی سوسائٹی وجود میں آئے جس میں اس مادی دنیا میں بھی انسان جنت کی سی زندگی بسر کرنے کے قابل ہو سکے۔ لیکن آج کل کے مسلمانوں کی بدنصیبی کی انتہاء یہ ہے کہ اس قسم کے نظام کا قیام تو ایک طرف ابھی تک یہ بھی طے نہیں پاسکا کہ اسلامی نظام ہوتا کیا ہے؟ آئے دن مذاکرات کی مجالس و سیمینار ہوتے رہتے ہیں۔ دانشور، علماء اور قانون دان بحث مباحثوں میں حصہ لیتے ہیں لیکن نتیجہ ڈور کو سلجھا رہے ہیں اور سرا ملتا نہیں۔ آیئے ہر قسم کی بحثوں کو چھوڑ کر براہ راست خدا تعالیٰ سے پوچھیں کہ کوئی ابہام نہیں رہ جاتا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''جب بھی ہمیں کوئی پکارتا ہے تو ہم اس کی پکار کا جواب دیتے ہیں''

(البقرہ ۲ آیت ۱۸۶)

رب دو جہان ''اسلام کیا ہے'' کا جواب خود یوں دیتے ہیں:

''جو اپنے فیصلے اللہ کی کتاب کے مطابق نہیں کرتے ان کو کافر کہا جاتا ہے''

(المائدہ ۵ آیت ۴۴) دوسرے لفظوں میں جو لوگ اپنے فیصلے اللہ کی کتاب کے مطابق کرتے ہیں ان کے نظام کو اسلامی نظام کہا جاتا ہے۔

یہود اور نصاریٰ کا یہی عقیدہ ہے کہ انبیاء کا کام لوگوں کو صرف وعظ و نصیحت کرنا ہوتا ہے اور ان کے مطابق نبی پاک بھی وعظ و نصیحت کا فریضہ انجام دیتے رہے اور جب مدینہ ہجرت کر کے گئے تو حالات سازگار دیکھ کر مملکت کی تشکیل کا خیال آیا۔ یہ بالکل باطل خیال ہے کیونکہ اسلامی فلاحی ریاست کا تصور مکی زندگی میں روزِ اوّل سے ہی پیش نظر تھا۔

تاریخ کامل ابن کثیر میں ہے کہ نبی پاکؐ نے اپنی دعوت کے آغاز میں اپنے خاندان کے نام ان الفاظ میں پیغام بھیجا:

''یاد رکھو تمہاری قوم میں آج تک کوئی ایسا جوان پیدا نہیں ہوا جس نے تمہارے سامنے مجھ سے بہتر نصب العین پیش کیا ہو۔ میں تمہارے لئے دنیا اور آخرت کی بہتری کے لئے آیا ہوں۔ مجھے خدا کی بالادست حکومت کی طرف سے ہدایت ملی ہے کہ تمہیں اس کی طرف دعوت دوں۔ اس حکومت کے لئے وزراء کی ضرورت ہوگی، کون ہے جو میرے ساتھ وزیر کی حیثیت سے کام کرے''۔

اس کے بعد ابن کثیر لکھتا ہے:

''نبوت کے تیسرے سال آپؐ نے ان لوگوں کو خدا کے حکم سے جمع ہونے کی دعوت دی اور فرمایا: ''یاد رکھو یا تو خدا کا حکم غالب آئے گا یا میں اپنی جان سے گذر جاؤں گا''۔ اسلامی نظام کے قیام کا نصب العین پہلے دن سے ہی نبی پاکؐ کے سامنے تھا۔ مکی زندگی اس کے لئے تیاری کا مرحلہ تھا اور اس مرحلہ کے لئے ساتھیوں کی ضرورت تھی۔ اسی لئے قرآن پاک کی سورۃ الفتح میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ: ''اسلامی نظام کے قیام کے لئے نبی پاکؐ اور آپ کے ساتھی دست راست ہوں گے'' اور اس تیاری کا کورس یہ بنایا گیا ''ان کو کتاب اور حکمت سکھائی اور ان کا تزکیہ نفس کیا''۔

خدا آدمی پیدا کرتا ہے اور رسول ان آدمیوں کو انسان بناتا ہے۔ نبی پاکؐ کا سب سے بڑا معجزہ یہی انسانیت سازی تھا۔ کسی کارواں کی کامیابی کے لئے اس کے سپہ سالار میں اپنے رفقائے کار کے انتخاب کرنے کی صلاحیت ہی کامیابیوں کی ضامن ہوتی ہے۔ قرآن پاک میں اسی لئے رسول خدا کو 'مزمل' یعنی صحیح انتخاب کرنے والا کہا گیا ہے۔ یاد رکھیں کوئی شخص نبی پاکؐ کے زمانہ میں بھی پیدائشی مومن نہ تھا اور نہ اب پیدائشی مومن ہوگا۔ نبی آخر الزمان نے بڑی محنت سے مومنین کی جماعت تیار کی جن کی بدولت اسلامی نظام قائم ہوا۔ اب بھی اگر

جماعت مومنین تیار ہو جائے تو اسلامی نظام پھر سے قائم ہوگا اور اسی لئے مجدد دین اپنی ٹیم کا انتخاب کرتے ہیں۔ جن سے معاشرہ سدھرتا ہے۔

''دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو''

غور کریں کہ نبی پاکؐ کے زمانہ میں لوگ کس طرح اسلامی نظام میں پروئے گئے۔ نبی پاکؐ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسی نوزائدہ نظام کے مخالفین کی یورشوں کو کچل دیا اور اس قابل بنا دیا کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مکمل شکل نکھر کر سامنے آئی۔ اپنی ٹیم کے انتخاب کے لئے نبی پاکؐ کی دعا پر غور کریں:

''یارب العالمین اسلام کو ابوجہل یا عمر بن خطاب کے ذریعے تقویت بخش۔ ان دونوں میں سے جو بھی تجھے محبوب ہو اسے مشرف بہ اسلام فرما''۔ اس دعا سے پتہ چل جاتا ہے کہ ان دونوں میں کیا پوشیدہ صلاحیتیں تھیں اور عرب معاشرہ میں ان کا کیا مقام تھا۔ رشتہ کے لحاظ سے بھی ابوجہل، عمر بن خطاب کے ماموں تھے۔ رسول کی تعلیم وتربیت میں عمر بن خطاب، فاروق اعظم بنے اور تربیت سے محرومی کی وجہ سے ابوجہل جہالت کی زندگی جیا اور ذلت کی موت مرا۔

حضرت عمرؓ اس زمانہ میں سختی کا جذبہ رکھتے تھے لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے دور خلافت میں کہہ دیا تھا کہ خلافت کی ذمہ داریاں عمرؓ کی سختی کو نرمی میں بدل دیں گی۔ یہی فاروق اعظم خلافت کا بوجھ اٹھاتے ہی اللہ تعالیٰ سے یوں دعا گو ہوا:

''یا اللہ میں سخت ہوں مجھے حق کی موافقت، اپنی رضا طلبی اور احساس آخرت کے لئے نرم کر دے یا اللہ میں کمزور ہوں مجھے قوی بنا دے تاکہ میں دین کے دشمنوں، منافقوں اور فحش کاروں کا مقابلہ کر سکوں۔ ایسا قوی نہیں کہ میں ان کے حق میں ظالم بن جاؤں اور ان پر دست درازی کرنے لگ جاؤں۔ یا اللہ میں بخیل ہوں مجھے امور خیر کے لئے سخی بنا دے لیکن اس سخاوت میں ریاکاری کا شائبہ نہ ہو، یا اللہ مجھے تفکر اور تدبر قرآنی عطا فرما تاکہ میں جو کچھ قرآن سے پڑھوں اسے اچھی طرح سمجھ سکوں اور اس کے نوادرات پر غور کر سکوں، یا اللہ مجھے توفیق دے کہ جب تک میں زندہ رہوں تیری کتاب پر عمل کروں''۔

پھر آپ نے فرمایا:

''اگر کوئی شخص کسی کے ساتھ ظلم وزیادتی کرے گا تو میں اسے اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک اس کا ایک رخسار زمین پر ٹکا کر دوسرے رخسار پر اپنا پاؤں رکھ دوں تاکہ وہ حق کے سامنے سپر انداز ہو جائے لیکن اس تمام سختی کے باوجود میں اہل حق کے لئے خود اپنے رخسار زمین پر رکھ دوں گا''۔

اب ذرا اسلامی نظام کے سربراہ کا معیار زندگی دیکھیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ میرا وظیفہ مدینہ کے ایک مزدور کی کم از کم اجرت کے برابر رکھا جائے۔ صحابہؓ نے کہا کہ اتنے کم وظیفہ میں گذر کس طرح ہوگا تو آپ نے فرمایا کہ جس طرح اس مزدور کا ہوگا اور اگر گذارا نہ ہوا تو میں مزدور کی اجرت بڑھا دوں گا اور میرا وظیفہ بھی خود بخود بڑھ جائے گا۔

سوچیئے کہ عمر فاروقؓ نے اپنے لئے جو وظیفہ مقرر کیا وہ یوں تھا کہ ''کپڑوں کے دو جوڑے ایک گرمی کا ایک سردی کا، حج اور عمرہ کے لئے ایک ایک احرام اور اپنے اہل وعیال کے لئے اتنا کھانا کافی کس جو قریش کے ایک آدمی کی خوراک ہے۔ نہ اس سے زیادہ نہ اس سے کم''۔

سنجیدگی سے سوچا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلہ میں تین باتیں بڑی خطرناک ہوتی ہیں:

(ا): ملوکیت: قرآن نے اس کا نمائندہ فرعون کو قرار دیا ہے۔ اسلامی نظام خلافت میں یہ خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔

(۲): رزق: روزی کا مسئلہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لیا ہے۔ اس کا نمائندہ قرآن پاک نے قارون کو قرار دیا ہے۔ اسلامی نظام میں اللہ براہ راست کی بجائے ایک انسان کے ہاتھوں دوسرے انسان کو رزق پہنچاتا ہے۔

(۳): مذہبی پیشوائیت: اس کے نمائندے علماء اور مشائخ ہیں۔ جب مدائن کی فتح ہوئی تو ایک شخص نے کہا کہ اے امیر المومنین عمرؓ میرے ہاتھ ایک کتاب لگی ہے جس میں بڑی اچھی باتیں ہیں تو آپ نے پوچھا کہ قرآن سے بھی زیادہ اچھی؟ تو اس نے کہا نہیں تو خلیفہ نے فرمایا:

''یاد رکھو کہ تم سے پہلی امتیں اسی وجہ سے برباد ہوگئیں کہ وہ اپنے علماء ومشائخ کی کتابوں پر ٹوٹ پڑیں اور خدا کی کتاب کو چھوڑ دیا۔ اس طرح دین ان کے یہاں سے ضائع ہوگیا۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:

''یادرکھو کہ جب حاکم بگڑ جاتا ہے تو رعایا بگڑ جاتی ہے سب سے بدبخت وہ انسان ہے جس کی وجہ سے اس کی رعایا بدبخت ہو جائے''۔ اسلامی نظام کے لاگو کرنے میں طاقتور خائن اور کمزور دیانتدار دونوں نقصان دہ ہوتے ہیں۔ مومن نہ کسی کو دھوکا دیتا ہے اور نہ کسی سے دھوکا کھاتا ہے (فتح ایران کے وقت پورا مال غنیمت جمع کرانے کا واقعہ)

عوام کی ضروریات کا صحیح صحیح اندازہ لگانے کے لئے حضرت عمرؓ اس حد تک آگے چلے جاتے ہیں کہ ایک دفعہ قحط پڑ گیا تو آپؐ نے اپنے اوپر پابندی لگالی کہ جب تک قحط رہے گا وہ سالن کو ہاتھ نہیں لگائیں گے صرف زیتون کے تیل کے ساتھ روکھی روٹی کھائیں گے، صحت خراب ہوگئی اور لاغر ہو گئے، رفقاء نے معمول کی غذا کھانے کا مشورہ دیا تو جواب میں جو فقرہ کہا گیا اگر آج کے سربراہان مملکت اسے اپنی زندگی کا اصول بنالیں تو دنیا فردوس بریں بن جائے گی۔ فرمایا:

''مجھے لوگوں کی تکلیف کا احساس کس طرح ہو سکتا ہے جب تک مجھ پر بھی وہی کچھ نہ گذرے جو ان پر گذرتی ہے''۔

نبی پاکؐ نے اسلامی نظام کو لاگو کرنے کے لئے انسانوں میں کردار سازی کی انتہاء کردی۔ کوفہ کے حاکم عقبہ بن فرقہ حضرت عمرؓ کی ملاقات کو آئے تو آپ ''جو'' کی روٹی کھا رہے تھے۔ اس کی حیرانی پر آپ نے فرمایا:

''جو'' کی روٹی اس لئے کھاتا ہوں کہ مجھے پورا یقین ہے کہ اس وقت پوری مملکت میں ہر شخص کو کم از کم ''جو'' کی روٹی میسر ہے جب اطمینان ہو گا کہ سب کو گیہوں کی روٹی ملتی ہے تو پھر گیہوں کی روٹی کھاؤں گا۔

دیکھیں آج کل اسلامی سزاؤں اور معاشی قوانین کا چرچا زبان زدِ عام ہے لیکن اس حقیقت کو فراموش کر دیا جاتا ہے کہ یہ نظام تو اس معاشرہ کے لئے ہیں جس میں اسلامی نظام رائج ہو اور اسلامی نظام کی خصوصی شق یہ ہے کہ رزق کی ذمہ داری مملکت کے سر ہے، ٹیکس اور واجبات کی ادائیگی اسی وقت عوام پر واجب ہے جب وہ حکومت کے رفاہ عامہ سے مستفید ہوں۔ خلافت راشدہ کے زمانہ میں ایک غلام سعید کو رہا کیا گیا وہ ٹیکس دینے حضرت عمرؓ کے پاس گئے، آپ نے پوچھا کہ کوئی فائدہ رفاہِ عامہ سے لیا ہے اس نے کہا کہ ابھی تک تو نہیں تو آپ نے اس کے واجبات واپس کر دیئے اور کہا کہ جب تمہیں فائدہ ہو گا تو پھر واجبات لئے جائیں گے۔

اسلامی نظام میں سربراہ مملکت کا رویہ عوام کے ساتھ قریبی ہوتا ہے۔ امیر المومنین فاروق اعظمؓ کا دستور تھا کہ جب لوگوں کو کسی بات سے منع کرتے تو پہلے اپنے اہل و عیال کو جمع کر کے کہتے کہ ''یادرکھو لوگ تمہاری طرف اس طرح دیکھ رہے ہیں جس طرح پرندہ گوشت کی طرف دیکھتا ہے اگر تم بچو گے تو وہ بھی بچیں گے اور اگر تم پھنسو گے تو وہ بھی پھنسیں گے، اگر تم میں سے کسی نے ان باتوں کا ارتکاب کیا تو خدا کی قسم میں اپنے ساتھ تمہارے تعلق کی وجہ سے تمہیں دگنی سزا دوں گا۔ اب تمہیں اختیار ہے جو چاہے حدود سے تجاوز کرے اور جو چاہے ان کے اندر رہے''۔

جب کبھی کوئی اچھی چیز یا پھل وغیرہ کہیں سے آتا تو امہات المومنین کو تحفتاً بھیجتے۔ حضرت حفصہؓ ام المومنین بھی تھیں اور حضرت عمرؓ کی بیٹی بھی۔ آپ ان کا حصہ سب سے آخر میں نکالتے تاکہ اگر مقدار میں کمی ہو جائے تو ان کے حصہ میں ہو۔

قارئین کرام! اسلامی معاشرہ کی کہانی کہاں تک بیان کروں۔

''سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لئے''

مومن خشک مزاج زاہد نہیں ہوتا وہ اپنے ذوق لطیف کو زندگی کے فرائض پر غالب نہیں آنے دیتا۔ اس کی طبیعت میں ظرافت بھی ہوتی ہے۔ ایک دفعہ ایک بدّو نے نماز کے بعد دعا مانگی کہ یا اللہ میری شادی خوبصورت حور سے کر دے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا لوگو دیکھو بیوی کیسی بلند پایہ مانگتا ہے اور مہر کتنا کم باندھتا ہے''۔

بارگاہِ ایزدی میں انسانیت کی تذلیل سے زیادہ کوئی سنگین جرم نہیں ہے۔ ایک دفعہ حمص کے حاکم حضرت عمر بن سعدؓ کے منہ سے کسی غیر مسلم کے متعلق ''اخذک اللہ'' (یعنی خدا تجھے رسوا کرے) کے الفاظ نکل گئے۔ انہیں اس پر اتنی ندامت ہوئی کہ استعفیٰ دے دیا اور کہا جو شخص تکریم آدمیت کی عظمت و اہمیت کو ٹھیس پہنچاتا ہے وہ کسی منصب کا اہل نہیں ہے۔

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

اب ذرا حضرت عمر فاروقؓ کے آخری الفاظ پر غور کریں فرمایا:

''اف اگر اللہ نے میری لغزشوں سے درگذر نہ فرمائی تو میرا انجام کیا ہوگا۔
اس کے ساتھ ہی اپنی وہ جان جو ایمان لانے کے ساتھ ہی اللہ کے ہاتھ بیچ دی تھی اس کے حقیقی مالک کے سپرد کردی۔ ذرا آگے دیکھیں آپ نے وصیت کردی تھی کہ آپ کی نماز جنازہ کوئی مزدور پڑھائے۔ اس لئے ایک مزدور حضرت صہیب رومیؓ نے آپ کا جنازہ پڑھایا۔ یہ تھے نبی آخر الزمان کے وہ ساتھی جن کے ہاتھوں اسلامی نظام قائم ہوا۔

مصر کے نامور مفکر ڈاکٹر طٰہٰ حسین اپنی کتاب الفتنۃ الکبریٰ'' میں لکھتے ہیں:

'' میں نہیں جانتا کہ تاریخ انسانی کسی ایسے شخص کی مثال پیش کرسکے جو حضرت عمرؓ کا سا حساس، زندہ محتاط اور معصیت سے خائف ضمیر رکھتا ہو اور اپنے حق میں ان باتوں سے بھی ڈرتا ہو جن میں ڈرنے کی کوئی بات نہ ہو۔ اپنی ذات پر ایسی سختیاں کرتا ہو جو صرف ایک اولوالعزم انسان ہی کرسکتا ہے۔

محسن انسانیت نے انسانی دلوں کی بستیوں کو بدلنے کا کرشمہ دکھایا تو تہذیب وتمدن کے دیدہ وردں کے سر جھک گئے ایسی جماعت پیدا ہوگئی جس کے افراد کی سیرت قرآنی قالب میں ڈھل گئی ہم ان کو اصحاب کہتے ہیں اور قرآن ان کو گروہ مومنین سے تعبیر کرتا ہے۔

موجودہ زمانہ میں تمام تحقیقاتی کوششیں یہ معلوم کرنے کے لئے صرف ہو رہی ہیں کہ اسلامی نظام صدر اوّل میں کیسے ترتیب دیا گیا تھا لیکن اس سلسلہ میں تاریخی کتب میں بہت تضاد پایا جاتا ہے اس لئے ان کو تاریخ اسلام کہنے کی بجائے مسلمانوں کی تاریخ کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ تاریخ کی کتب پر نظر دوڑائیں تو افسوس ہوتا ہے مثلاً خلافت راشدہ کے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے انتخاب کے وقت '' معاذ اللہ'' ایک امیدوار کے ہاتھوں میں دوسرے کی داڑھی نظر آتی ہے اور دوسرے کے ہاتھ میں شمشیر۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت اور بعد کے واقعات، جنگ جمل میں آدھے صحابہ ایک طرف اور آدھے دوسری طرف دکھائی دیتے ہیں۔ باہمی خون ریزی کا یہ عالم ہے کہ دس ہزار صحابہ شہید ہو جاتے ہیں۔ پھر جنگ صفین کا نقشہ دیکھا تو ستر ہزار صحابہ کام آجاتے ہیں۔ کیا اس قسم کی تاریخیں دہرانے سے اسلامی نظام لاگو ہوسکے گا۔ اسلام نظام تو زندگی کے قرآنی اصول وضوابط کو نافذ کرنے کا نام ہے اور اس کے عملی نفاذ کا طریقہ بھی وہی اپنانا پڑے گا کیونکہ:

''علاج اس کا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی''

خود خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

'' آپس میں اور باہمی مشورہ سے طے کرو'' دراصل اسلامی نظام نافذ کرنے کا کام ان انسانوں کا ہے جن کو خصوصیات کی بنا پر مومن کہا جاتا ہے۔ انہیں کے ہاتھوں نافذ ہوگا جس طرح عہد رسالت اور دور صحابہ میں قائم ہوا تھا۔

مقام غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی پاکؐ کی سیرت کو نوع انسان کے لئے اسوہ حسنہ یعنی بہترین ماڈل قرار دیا ہے اگر اب ہم ان جیسی سیرت وکردار پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتے تو پھر حضورؐ کی سیرت ہمارے لئے نمونہ کیسے بن سکتی ہے۔ نبوت کا سلسلہ تو ختم ہوگیا مگر نبی پاکؐ کی سیرت کی آئینہ داری تو ختم نہیں ہوئی وہ تو قیامت تک کے انسانوں کے لئے ماڈل ہے۔ اس ماڈل کو زندہ وجاوید رکھنے کے لئے مجددین کا سلسلہ جاری ہے لیکن طبقہ جہلا ان کے ساتھ جو سلوک کرتا ہے وہ سب کے سامنے ہے حالانکہ نبی پاکؐ نے فرمایا:

''تم پر میری اور میرے صاحبِ رشد وہدایت خلفاء کی سنت کی پیروی لازم ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ سیرت وکردار کے حامل مومن یعنی خلفاء قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے۔ اس لئے زمانہ حاضر میں اگر قوم اسلامی نظام کا عزم لے کر اٹھے تو اسے ارشاد خداوندی اور سنت نبوی کے اتباع میں قرآنی تعلیم وتربیت سے مومن پیدا کرنے ہوں گے اور وہی قرآنی حدود وقیود کے اندر رہتے ہوئے اسلامی نظام کا طریق کار متعین کریں گے اس کے علاوہ کوئی عملی صورت نہیں ہے۔ ایسے دعوے جن کو ہم عمل میں نہ لاسکیں۔ اسلام کو دنیا میں بدنام کرنے کے مترادف ہیں جن میں کمی نظر نہیں آرہی ہے۔

ہمارے اکابرین نے سارا زور قرآنی تعلیم وتربیت پر اس لئے لگایا کہ افراد کی ایک ایسی جماعت تیار ہوسکے جو اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے راستہ ہموار کردے ورنہ اس کے بغیر اسلامی نظام کے قیام کا تصور دیوانے کا خواب بن کے رہ جاتا ہے۔

''دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو''

مبلغ کا معیار

از: ملک بشیر اللہ خان راسخ

فرمان مسیح موعود علیہ السلام:

''کوئی شخص ایک ورق بھی ہمارے پاس دین کے لئے لکھ کر لے آوے میرے لئے یہی بہت بڑی بات ہے۔ کشف، الہام، رؤیا، سچے خواب نہیں بلکہ درد دِل چاہیے سالہا سال بلکہ ساری زندگی بھی مکاشفات نہ ہوں تو کوئی حرج نہیں لیکن اگر دردِ دل نہیں تو بہت بڑی کمی ہے''۔

کسی بھی دین، فرقہ، مسلک کے لئے مبلغ کا لفظ انتہائی اہمیت کا مالک ہے۔ اب جبکہ جدید دور ہے مگر مذہب کا عنصر اور کسی خالق ہستی کا وجود مخلوق کے دلوں میں کسی نہ کسی گوشہ میں کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے۔ اور یہ فطرت انسانی کا حصہ ہے۔ اور جیسے کہ کسی ہمسفر، کسی دوست، کسی ہمسائیہ، کسی کنبہ کے افراد اور عزیز و اقارب سے ایک خاص اُنس و محبت اور کشش ہوتی ہے۔ اسی طرح دنیاوی ساتھیوں کے ساتھ ساتھ مذاہب اور ادیان بھی اک دنیائے خاص ہیں جن کے اندر خاص مسالک اور عقیدہ کے لوگ بھی خواہ وہ کسی بھی رنگ، نسل، زبان سے تعلق رکھتے ہوں وہ دنیا میں جہاں بھی رہائش پذیر ہوں ایک روحانی خاندان کنبہ کی ہی شکل ہوتے ہیں۔ یہ فطری امر ہے کہ ہر انسان دنیا کا معاملہ ہو یا دین کا طاقت کا خواہشمند ہوتا ہے۔

اور ایسے معاملات میں منفی سوچ اور مثبت سوچ کا عمل دخل ہوتا ہے۔ خاص معیار پر حق و باطل کو پرکھا جاوے گا۔ نسل انسانی کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ کتب آسمانی، صحیفے بھی گواہ ہیں اور تاریخ بھی ان گنت چیزوں سے پردہ اٹھاتی ہے۔ انسان جس دائرہ زندگی میں گزر بسر کر رہے ہوتے ہیں اس ماحول کے مطابق انہی کے اندر موجود لوگ منفی اور مثبت خیالات کے مالک ہوتے ہیں اور ان کے اثرات اپنی اپنی حیثیت اور شخصیت کے مطابق اپنی طاقت اور قوت کے مطابق دوسروں کو اپنے جذبات، سوچ اور ماحول کے مطابق اپنے قریب لے آتے ہیں۔

دنیا میں جتنی بھی مخلوق ہے وہ دین سے تعلق رکھتی ہو یا لا دین ہو، کسی گروہ سے اچھے یا بُرے لوگ ہوں۔ اثر و رسوخ والے لوگ مختلف طریقوں سے اپنے اپنے حلقہ احباب میں اضافہ کرتے ہیں۔ اضافہ اور کسی کو قائل ہونا اسی وقت ممکن ہے جب کسی خاص طاقت اور قوت کو عمل میں لایا جاتا ہے اور مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ دین اور دنیا کی تبلیغ دنیا کی طاقت اور گروہ بندی اور لوگوں کو اپنے زیر اثر کرنا یہ فطرت انسانی کا حصہ ہے۔

اس مضمون میں صرف روحانیت اور دین کے اصولوں کے مطابق کوشش کی ہے کہ بیان کیا جاوے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر خداوند کریم نے مختلف ادوار میں بھیجے اور وہ حکم خداوندی بجالائے اور ہر پیغمبر خدا کے دور میں خداوند کریم کے احکامات کو جہاں تک ممکن ہوا پہنچایا۔ اور جہاں تک تاریخ اور کتب آسمانی موجود ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیمات اور ان کا پرچار کس طرح کیا جاتا رہا۔ یہ تمام احکامات خداوندی کس طرح سے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچے اور پہنچائے گئے۔ ان تمام پیغمبران خدائے بزرگ و برتر میں ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ خاتم النبیین اور خاتم المرسلین ہیں سردار الانبیاء ہیں اور بے شک رحمت اللعالمین ہیں اور کل کائنات کے اختتام تک روز محشر تک یوم حساب تک آخرت تک ہمارے پاک نبی کو افضل البشر کا رتبہ اللہ جل شانہ نے عطا کیا ہے۔ اور یہ بات اظہر من الشمس ہے ماسوائے پیروی رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بشر جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات، درجات اور عبادات کا تا قیامت احاطہ نہ کیا جا سکے گا۔ اس کائنات کی عظیم الشان ہستی پر دین مکمل کیا گیا۔ جو حتمی اور آخری ہے۔ اسی پیاری ہستی رحمت اللعالمین کے ماننے والوں نے دین اسلام اور عشق محمدؐ اور لا الہ الا اللہ پر کس طرح عشق حقیقی نبھایا اور کیا قربانیاں پیش کیں۔

دشت تو دشت دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

اور عاشقان خدا اور رسول نے کن کن بت پرستوں کی کس کس رنگ میں ذہنی، جسمانی، تحریری، تقریری خداداد قوتوں اور صلاحیتوں سے بت شکنی کی۔ کن کن ادیان اور دھریہ ذہنیت کے لوگوں سے کس کس طرح نبرآزما رہے۔ اور پھر دنیاوی طور پر بھی دین اسلام کی مساوات محمدی آزادی اور کشش الٰہی پر کس کس (ازم) نے بھی مسلمانوں کو اور جو اسلام کی طرف راغب ہوتے ان کو کن کن طور طریقوں سے مسمار کرنے کی ان کے ذہنوں کو دین اسلام سے بیگانہ کرنے کے لئے اور دین اسلام سے متعلق نفرتیں پیدا کرنے کے لئے کیا کیا حربے، طریقے اور سودے نہ کئے۔ کہیں Secularism Communism, Socialism Capitalism اور دیگر کئی نظریات نظام سیاسی، معاشی، سماجی، معاشرتی، قومی نظام قوموں میں ملکوں میں بڑی ہی ذہانت، زور و شور سے اور دنیاوی اعلیٰ صلاحیتوں سے لوگوں کو اس تبلیغ کی صورت میں قائل کیا جاتا ہے۔ سوال و جواب سے اور بات چیت سے اور اسی کی طاقت اور خوبیوں سے عوام الناس کو قائل کیا جاتا ہے۔ جتنا دنیاوی اعتبار سے کوئی شخص اپنے نظام، نظریات کو نافذ کرنے کے لئے باصلاحیت اور باشعور اور عقلمند ہوتا ہے۔ اتنی ہی تیزی اور سرعت کے ساتھ عوام کا دل موہ لیتا ہے اپنے قابو میں کر لیتا ہے۔ اپنے نظام اور نظریات کو پابند بنا دیتا ہے۔ یہ تصور کا دنیاوی رخ ہے۔ روحانی Spirtublism (روحانیت) میرا اس مضمون ''مبلغ کے معیار'' میں اہم توجہ کا حامل ہے کیونکہ مبلغ کا قد کاٹھ، تربیت، صحبت، طاقت، قوت، کردار، گفتار اور دین اور عقیدہ سے سچی محبت۔

مبلغ کا لباس، وضع قطع، سادگی، شرافت۔
نیکی، تقویٰ، ایمان سے مالا مال ہو۔
مبلغین کے اساتذہ، اساتذہ کا مقام، معیار۔
استقامت اور کرامت کا مظہر بھی ہو۔
مبلغ کا چناؤ کرنے والا خود کس مقام پر ہے۔

معزز قارئین اور احباب جماعت احمدیہ کو اگر خدا کی اس آخری جماعت میں زندہ رہنا ہے تو بہت سی قربانیاں دینی پڑیں گی۔ انگریزی بولنے والے جماعت میں بہت ہیں، قد کبھی خدا کی قسم بڑا نہیں ہو سکتا اور اگر کوئی عربی بھی بول لیتا ہو، پڑھ لیتا ہو تو لعل نہیں لگ جاتے۔ ہاں سبھی زبانوں میں اسی وقت رسیلا پن پیدا ہو جاتا ہے جب قناعت، سادگی، عاجزی، انکساری بھی زندگی میں بدرجہ اتم موجود ہو۔ ہر انسان اپنا پرایا ہو، ایک جیسا رویہ، سلوک ہو، تکبر اور نمود و نمائش ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے۔ کیونکہ دین اسلام میں مبلغ اک اہم ستون ہے جس کے روحانی مظاہر اور گفتگو سے سوالات و اعتراضات کرنے والوں پر اک گہرا اثر چھوڑے۔ جس اثر سے معترض کو وہ قلبی ذہنی راحت میسر آجاوے وہ اطمینان قلب میسر ہو جاوے کہ محبت خدا اور رسول پیدا ہو جائے اور اپنا آپ بدل دیوے۔

مسیح موعود علیہ السلام نے دین اسلام کی سربلندی اور عظمت کا جو روحانی علم تائید الٰہی سے بلند کیا ہے اور مامور من اللہ ہو کر جو مخالفین اور اغیار کا اور ان کے خطرناک اعتراضاتی حملوں کا جو اللہ، رسول اور کتاب اللہ پر عرصہ دراز سے کر رہے تھے۔ ان کا جس روحانی قوت سے مقابلہ کیا اور شکست دی مخالفین بھی مانتے ہیں۔ جس روحانی قوت سے دین اسلام کا دفاع کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔

اب جبکہ یہ بات دنیا پر عیاں ہے کہ سلسلہ احمدیہ اور جماعت احمدیہ خداوندکریم کے قائم کردہ سلسلہ اور خداوندکریم کی آخری جماعت کے خداوندکریم کی طرف سے نمائندہ مسیح موعود مقرر ہوئے اب اس مامور من اللہ مجدد صد چہاردہم کی تعلیمات اور Work اور معجزات جس رنگ میں رنگ لائی اسی نمونہ کے ماتحت امام علیہ السلام کے ساتھی بھی، احباب بھی، دوست بھی اک خاص مقام رکھتے تھے۔ جنہوں نے مسیح موعود علیہ السلام کے حکم پر اس سلسلہ اور جماعت کے لئے جو عظیم الشان قربانیاں دیں اور نقش قدم چھوڑے وہ بھی اپنی مثال آپ ہیں اور مسیح موعود علیہ السلام نے روشن تعلیمات اسلام کو دنیا کے کناروں تک اپنے وقت میں جس طرح اور جس طریق پر پہنچایا وہ بھی ناقابل

فراموش مثالیں ہیں، نمونہ میں اور معجزات میں اور کمالات میں اس کے بعد آپ نے بھی اپنی جماعت کو ایک آئینہ مہیا کر دیا کہ اپنے کاموں کو اس آئینہ میں دیکھنا ہے، دنیاوی آنکھ سے بھی اور روحانی آنکھ سے بھی اور معیار مقرر کر دیا ہے کہ کون شخص تبلیغ کے قابل ہوتا ہے اور مبلغ کیسا ہونا چاہیے۔

میں اب براہ راست اپنی جماعت احمدیہ لاہور سے مخاطب ہوں کہ جماعت احمدیہ لاہور میں حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ کے بعد دنیا میں تبلیغ کے لئے احباب جماعت نے اور جماعت کے سربراہان نے اور انجمن اور معتمدین نے جن احباب کا انتخاب کر کے پچھلے 50 برسوں میں جن افراد کو جرمنی، آسٹریلیا، انگلینڈ، امریکہ، نائجیریا، فجی، ہالینڈ، جاپان اور دیگر ملکوں میں بھیجا ان کا مقام کیا تھا۔

میں ایسے بہت سے بظاہر رعب والے، Status والے، شان وشوکت والے حضرات سے بہت ابتدائی زندگی میں مل چکا ہوں اور ملاقاتیں بھی کر چکا ہوں جواب ماضی کی یادیں ہیں۔خدا کی آخری جماعت نعوذ باللہ اب کونسی جماعت ہے اور کتنے مردِ خدا، استقامت، عاجزی وانکساری کے مالک لوگ ہیں جن کو اس جماعت کی روحانی ترقی کی فکر ہے۔اگر آج بھی سابقہ روش رہی تو List بنادیں کہ کون کونسی خوبصورت ہستیاں مسیح موعود علیہ السلام سے سچا عشق رکھنے والے جماعت کے کارناموں سے متفق ہو کر گوشہ تنہائی میں چلے گئے اور مالک حقیقی سے جا ملے۔میرے پاس بہت سے بزرگوں کے تحریری الفاظ اور خطوط بھی موجود ہیں جو یادگار ہیں اور وہ ایسے بزرگ جن کی عظمت اور بزرگی اور خدمات سے کوئی انسان انکار نہیں کرسکتا ہے مگر اس عاجز کی خواہش ہے کہ یہ جماعت خدا کی جماعت کہلاوے۔اس جماعت کو اب وہی شخص وہی مرد خدا ''خدا کی آخری جماعت'' بنا سکتا ہے جس کے سامنے دنیا کے سامان نہ ہوں، اپنی اولاد نہ ہو، زید اور بکر پر توکل نہ ہو۔دنیا کا مال اور دنیا کی عزت اس مرد کے نزدیک نہ ہو۔

صرف اور صرف ایسا شخص ''جو صرف بقدر حقوق شرعیہ اور سنن صالحین'' کی رعایت رکھتا ہو۔اور اگر ایسا مردِ خدا مل جاوے تو نہایت ارفع مقام ہوگا اور ایسے مرد کی، مردِ خدا کی صحبت اور سایہ بھی پھر مسیح موعود علیہ السلام کے منشاء اور مرضی اور آرزو کے مطابق جماعت بھی بن جاوے گی۔

موجودہ جو حالت ڈر اور خوف کی ہے اور افراتفری کا عالم ہے۔یہ کہاں کی استقامت ہے جب آزمائش بالمقابل ہو تو جزع اور فزع میں مبتلا ہو جاویں اور راہ فرار اختیار کریں۔پہلے اپنا احتساب تو کرلیں۔خود اپنے آپ کو، بیوی بچوں کو تبلیغ تو کرلیں صرف اپنے گھر، شہر، خاندان میں ہی مسیح موعود علیہ السلام مجدد صد چہاردہم کی صداقت کو ہی اجاگر کریں، فیملی میں احمدیت کا عشق نمایاں کریں۔میری مودبانہ گذارش ہے تمام مضمون نگاروں سے اور مصنفین سے کہ تمام لکھاری، ادارہ پیغام صلح، شعراء اور مدیر اور طباعت واشاعت سے متعلقہ دوست احباب اور نوجوانوں کی خدمات ضرور رنگ لاسکتی ہیں اگر محنت کریں۔کوئی بھی قلمکار قلم کشائی کرتا ہے تو وہ پیدائشی مصنف نہیں ہے۔نہ ہی سلطان القلم ہے۔کہ ہر سطر، ہر حرف، ردیف، قافیے کی قید میں ہوگا اور ہر سطر بغیر ایڈیٹنگ کے خود بخود مضمون تیار ہو جائے گا۔

مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

'میرے پیارے دوستو! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے خدا تعالیٰ نے سچا جوش آپ لوگوں کی ہمدردی کے لئے بخشا ہے اور ایک سچی معرفت آپ صاحبوں کی زیادتِ ایمان وعرفان کے لئے مجھے عطا کی گئی ہے۔اس معرفت کی آپ کو اور آپ کی ذریت کو نہایت ضرورت ہے۔سو میں اس لئے مستعد کھڑا ہوں کہ آپ لوگ اپنے اموال طیبہ سے اپنے دینی مہمات کے لئے مدد کریں۔اور ہر ایک شخص جہاں تک خدا تعالیٰ نے اس کو وسعت وطاقت ومقدرت دی ہے اس راہ میں دریغ نہ کرے اور اللہ اور رسول سے اپنے اموال کو مقدم نہ سمجھے۔اور پھر میں جہاں تک میرے امکان میں ہے تالیفات کے ذریعہ سے ان علوم و برکات کو ایشیاء اور یورپ کے ملکوں میں پھیلاؤں جو خدا تعالیٰ کی پاک روح نے مجھے دی ہیں۔مجھ سے پوچھا گیا تھا کہ امریکہ اور یورپ میں تعلیم اسلام پھیلانے کے لئے کیا کرنا چاہیے۔یہ مناسب ہے کہ بعض انگریزی خوان مسلمانوں میں سے یورپ اور امریکہ جائیں۔وعظ اور منادی کے ذریعہ مقاصد اسلام ان لوگوں پر ظاہر کریں۔لیکن میں عموماً اس کا جواب ہاں میں نہیں دوں گا۔میں ہرگز مناسب

نہیں جانتا کہ ایسے لوگ جو اسلامی تعلیم سے پورے طور پر واقف نہیں اور اس کے اعلیٰ درجہ کی خوبیوں سے بکلی بے خبر اور نیز زمانہ حال کی نکتہ چینیوں کے جوابات پر کامل طور پر حاوی نہیں ہیں اور نہ روح القدس سے تعلیم پانے والے ہیں۔وہ ہماری طرف سے وکیل ہو کر جائیں۔

میرے خیال میں ایسی کارروائی کا ضرر اس کے نفع سے اقرب اور امر الوقوع ہے۔الا ماشاء اللہ بلاشبہ یہ سچ بات ہے کہ یورپ اور امریکہ نے اسلام پر اعتراض کرنے کا ایک بڑا ذخیرہ پادریوں سے حاصل کیا ہے اور ان کا فلسفہ اور طبعی بھی ایک الگ ذخیرہ نکتہ چینی کا رکھتا ہے۔میں نے دریافت کیا ہے کہ 3000 کے قریب حال کے زمانہ نے وہ مخالفانہ باتیں پیدا کی ہیں جو اسلام کی نسبت بصورت اعتراض سمجھی گئی ہیں حالانکہ مسلمانوں کی لاپرواہی کوئی بدنتیجہ پیدا نہ کرے تو ان اعتراضات کا پیدا ہونا اسلام کے لئے کچھ خوف کا مقام نہیں بلکہ ضرور تھا کہ وہ پیدا ہوتے تا اسلام اپنے ہر ایک پہلو سے چمکتا ہوا نظر آتا لیکن ان اعتراضات کا کافی جواب دینے کے لئے کسی منتخب آدمی کی ضرورت ہے۔ جو ایک دریا معرفت کا رکھتا ہو۔جو ایک دریا اپنے صدر منشرح میں موجود رکھتا ہو۔جس کے معلومات کو خدا تعالیٰ کے الہامی فیض نے بہت وسیع اور عمیق کر دیا ہو اور ظاہر ہے کہ ایسا کام ان لوگوں سے کب ہو سکتا ہے جن کی سماعی طور پر بھی نظر محیط نہیں اور ایسے سفیر اگر یورپ اور امریکہ میں جائیں تو کس کام کو انجام دیں گے۔اور مشکلات پیش کردہ کا کیا حل کریں گے اور ممکن ہے کہ ان کے جاھلانہ جوابات کا اثر معکوس ہو جس سے وہ تھوڑا سا ولولہ اور شوق بھی جو حال میں امریکہ اور یورپ کے بعض منصف دلوں میں پیدا ہوا ہے جاتا رہے۔اور ایک بھاری شکست اور ناحق کی سبکی اور ناکامی کے ساتھ واپس ہوں۔سو میری صلاح یہ ہے کہ بجائے ان واعظوں کے عمدہ عمدہ تالیفیں ان ملکوں میں بھیجی جائیں اگر قوم بدل و جان میری مدد میں مصروف ہو تو۔میں چاہتا ہوں کہ ایک تفسیر بھی تیار کر کے انگریزی میں ترجمہ کرا کر ان کے پاس بھیجی جائے۔میں اس بات کو صاف صاف بیان کرنے سے نہیں رہ سکتا یہ میرا کام ہے۔دوسرے سے ہرگز نہیں ہوگا جیسے مجھ سے یا جیسا اس سے جو میری شاخ ہے اور مجھ ہی میں داخل ہے۔ہاں اس قدر میں پسند کرتا ہوں کہ ان کتابوں کے تقسیم کرنے کے لئے یا ان لوگوں کے خیالات اور اعتراضات کو ہم تک پہنچانے کی غرض سے چند آدمی ان ملکوں میں بھیجے جائیں جو امامت اور مولویت کا دعویٰ نہ کریں بلکہ ظاہر کر دیں کہ ہم صرف اس لئے بھیجے گئے ہیں کہ تا کتابوں کو تقسیم کریں اور اپنے معلومات کی حد تک سمجھاویں اور مشکلات اور مباحث دقیقہ کا حل ان اماموں سے چاہیں جو اس کام کے لئے مسلک ہند میں موجود ہیں''۔

اک زمانہ وہ تھا جب کوئی جہاں تبلیغ اسلام کرتا۔اسے درپردہ احمدی سمجھا جاتا۔مسلمان اس طاقت سے جو برنگ قرآن ان کو دی گئی تھی غافل پڑے تھے۔احمدیت نے ہی انہیں بیدار کیا۔اسلام کی اصل طاقت جہاد بالقرآن ہے۔جماعت کو ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار رہنا ہوگا۔دنیاوی خداؤں کی پوجا نہ کرنی ہوگی۔خطرناک سے خطرناک مصائب و مشکلات میں ثابت قدمی سے ہی احمدیت اور خدا کی اس جماعت کی توقیر و عزت ہے۔

انسان جب ایک کام کے لئے اقرار کر لیتا ہے تو یہ اس کی فطرت کا تقاضہ ہے کہ وہ بڑی سے بڑی مصیبت سے مشکلات سے گھبراتا نہیں۔اقرار انسان کے اندر ایک عزم پیدا کرتا ہے۔اور انسان کا عزم وہ طاقت ہے کہ جس کے سامنے پہاڑ بھی کھڑے نہیں رہ سکتے۔یہی وجہ ہے کہ گو احمدیت کا مقابلہ میں ایک ہی وقت میں اسلام کے بہت سے دشمنوں سے تھا۔بلکہ خود مسلمانوں نے بھی احمدیت کی پورے زور سے مخالفت کی مگر مسیح موعود علیہ السلام، حکیم مولوی نورالدین رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ کے قدم اور اسلام کی تبلیغ اور احمدیت (اصل مغز اسلامی) کا پرچار روز بروز ترقی کرتا گیا اور سلسلہ بتدریج ترقی کرتا گیا۔

☆☆☆☆

اسلام کی امتیازی خصوصیات

از: قاری غلام رسول صاحب

(نوٹ: یہ مقالہ سالانہ دعائیہ 2012ء پر پڑھا گیا اب تحریری شکل میں پیش کیا جاتا ہے۔)

اسلام ایک کامل دین ہے جو زندگی کے تمام گوشوں اور تمام شعبوں کا احاطہ کرتا ہے۔ قرآن حکیم نے جو اصول و قوانین بیان کئے ہیں ان کی عملی تشریح سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہے اور صحابہ کرامؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس کا چلتا پھرتا نمونہ تھے۔

قرآن حکیم کا مطالبہ ہے کہ اسلام کو مکمل طور پر اپنی زندگیوں میں نافذ اور جاری کرو، مذہب، معاشرت، معیشت اور سیاست تمام شعبہ ہائے حیات میں قرآن کی تعلیمات کو اپناؤ اور غیر اسلامی نظریات اور انسانوں کے خود ساختہ قوانین سے اجتناب کرو۔ قرآن حکیم کے سوا ہر نظریہ باطل اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل ہر سوچ طاغوت ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''دین اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے'' (سورۃ آل عمران)

اور ارشاد باری تعالیٰ کا ترجمہ ہے:

''جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین لائے گا تو وہ قبول نہیں کیا جائے گا اور اس طرح کے لوگ آخر کار خسارہ اٹھائیں گے''۔ (سورۃ آل عمران)

موجودہ دور میں ہماری زندگی انتشار کا شکار ہے۔ ہر شعبہ میں فساد ہے۔ مذہبی، لسانی، ملکی اور رنگ و نسل کے امتیازات نے زندگی کو جہنم بنا رکھا ہے۔ قتل و غارت، دہشت گردی، خوف و ہراس، عدم مساوات اور انسانی حقوق کی پامالی نے عام آدمی کا جینا مشکل بنا دیا ہے۔ اسلام کا نظام معیشت نافذ نہ ہونے کی وجہ سے امیر لوگ امیر تر اور غریب افراد غریب تر ہو رہے ہیں۔ طاغوتی قوتیں طاقتور اور مجتمع ہیں اور اہل اسلام ملکی اور گروہی اختلافات کا شکار ہیں۔ قرآن حکیم نے اس کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ کا ترجمہ ہے:

''بحر و بر میں فساد برپا ہے یہ تمہاری بداعمالیوں کی شامت ہے تا کہ تمہیں تمہارے اعمال کا مزا چکھایا جائے'' (سورۃ الروم)

ان حالات میں اسلامی تعلیمات کی اہمیت بڑھ گئی ہے کیونکہ دنیا کے دکھوں کا علاج قرآن شریف میں ہے۔ اور اللہ کے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ میں ہے۔ سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اس امت کے آخری حصہ کی اصلاح اسی طرح ہوگی جس طرح پہلے حصہ کی ہوئی'' (مسند احمد)

اسلام کی تعلیمات آفاقی اور بین الاقوامی ہیں جو رنگ و نسل، گروہی و لسانی اختلافات کا خاتمہ کر کے دنیا کو امن و امان کا گہوارا بنا سکتی ہیں۔ یہاں اسلام کی چند امتیازی خصوصیات بیان کی جا رہی ہیں جو اسے دوسرے مذاہب سے ممتاز کرتی ہیں۔

(۱) محفوظ دین

اسلام ہر لحاظ سے کامل اور مکمل ہے اس کی حفاظت کا ذمہ خدا تعالیٰ نے لیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے کا ترجمہ ہے:

''بلاشبہ ہم نے ہی اس ذکر قرآن کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت فرمانے والے ہیں''۔ (سورۃ الحجر)

قرآن حکیم سے قبل کی تمام آسمانی کتب انسانی دست برد کا شکار ہوگئیں اور ان میں تحریف ہوگئی لیکن یہ امر شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ آج ہمارے ہاتھوں میں وہی قرآن ہے جو خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر

نازل ہوا اور اس کی موجودہ ترتیب بھی آپؐ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے خود قائم فرمائی چنانچہ جب کوئی سورت یا آیت نازل ہوتی تو آپؐ کاتبین وحی کو فرماتے کہ یہ سورت فلاں سورت کے بعد اور یہ آیت فلاں آیت کے نیچے رکھ لو۔ خدا تعالیٰ نے قرآن حکیم کی لفظی و معنوی دونوں طرح سے حفاظت فرمائی۔ چنانچہ اس کی لفظی حفاظت کے لئے شروع سے ہی حفاظ کرام اور قراء کرام کا سلسلہ چلا آرہا ہے۔ آج اگر کوئی بڑے سے بڑا آدمی کسی اجتماع میں قرآن کے الفاظ غلط تلاوت کرے تو ایک آٹھ سال کا مسلمان حافظ قرآن بچہ اسے ٹوک سکتا ہے۔ یہ قرآن کریم کے الفاظ کی حفاظت کا قدرتی انتظام ہے۔ صاحب قرآن حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی حافظ قرآن تھے اور آپؐ نے اپنے وصال سے پہلے حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ اس کا دور بھی کر لیا تھا۔ اس کے علاوہ بے شمار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم قرآن کریم کے حافظ تھے آج دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب قرآن حکیم ہے اور لاکھوں مسلمان حافظ قرآن ہیں۔ اور مشرق سے مغرب تک دنیا میں ایک ہی قرآن تلاوت کیا جاتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو حفظ کرنے کا شوق دلایا کرتے تھے اور آپؐ نے حافظ اور حفظ قرآن کے فضائل بیان فرمائے۔ چنانچہ آپؐ کا ارشاد ہے:

''جس نے قرآن حفظ کیا اور اس پر عامل ہوا وہ اپنے گھر کے دس افراد کی شفاعت کرے گا''۔ (حدیث نبوی)

دوسری حدیث میں ارشاد ہے:

''جس نے قرآن کریم حفظ کیا گویا نبوت اس کے اندر داخل ہوگئی''۔

(حدیث نبوی)

ایک اور حدیث میں ارشاد نبوی ہے:

''حافظ قرآن کے والد کو قیامت کے دن تاج پہنایا جائے گا''۔

(حدیث نبوی)

قرآن کریم کی معنوی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ نے آئمہ مجددین کا سلسلہ جاری فرمایا چنانچہ جب کبھی اس کے معنوں میں تحریف کی کوشش کی گئی اور بدعات وخرافات نے اس کی تعلیم کو بگاڑنے کی کوشش کی۔ خدا تعالیٰ نے کسی مجدد کو تجدید دین کے لئے مامور کر دیا۔ مجدد اپنے وقت میں نائب رسول ہوتا ہے جو اسلام کی تعلیمات اور قرآن کے احکامات کی وضاحت اپنے رسول کے منشاء کے مطابق کرتا ہے۔ اور اس طرح غلط معنوں کا گرد وغبار صاف کر کے تجدید و احیائے دین کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔ اور اسلام کے حسن کو نکھار دیتا ہے۔ کوئی مجدد شریعت محمدی میں ترمیم و تنسیخ نہیں کرسکتا نہ اس شریعت میں کوئی کمی بیشی کرسکتا ہے۔ بلکہ وہ اسلام کی شریعت کا خادم ہوتا ہے اور دین کے حقیقی حسن کو بحال کر دیتا ہے۔ اور دین وشریعت کی تعلیمات کو خدا اور رسول کی منشاء کے مطابق بیان کرتا ہے۔

(۲) بین الاقوامی دین

اسلام ساری انسانیت کا دین ہے۔ محسنِ انسانیت حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ساری انسانیت کے نبی اور رسول ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر دین مکمل کر کے وحی نبوت پر مہر لگا دی گئی۔ اب اس امت میں کوئی نیا یا پرانا نبی نہیں آئے گا۔ اسلام نے خدا تعالیٰ کے رب العالمین اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمتہ اللعالمین اور قرآن کریم کے ذکر اللعالمین ہونے کا تصور دیا ہے۔ یہ درحقیقت ساری دنیا کو متحد کرنے کا پروگرام ہے۔ ایک خدا، ایک نبی اور ایک کتاب کا تصور ساری انسانیت کا متحد کرسکتا ہے۔ چنانچہ آج دنیا میں حقیقی اتحاد کا راستہ اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنے سے مل سکتا ہے۔ وہ وقت آنے والا ہے جب ساری انسانیت اسلام کے کلمہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے جھنڈ تلے جمع ہو جائے گی۔ اسلام سے پہلے کی نبوتیں علاقائی اور قومی تھیں لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کر دیا۔ ''اے بنی نوع انسان میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں''۔ (سورۃ الاعراف)

لہذا اب قیامت تک امامِ کائنات اور معلم انسانیت اور مذکی و مربی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس حقیقت کو حضرت مجدد الزماں بانی سلسلہ احمدیہ یوں بیان کرتے ہیں:

''اب الگ الگ نبیوں کی پیروی کی حاجت نہیں رہی تمام خوبیاں اور کمالات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں جمع ہیں ۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ انسان خدا تعالیٰ تک پہنچ سکتا ہے۔ اب پرانے یا نئے نبی کی ضرورت نہیں رہی کہ اسکی پیروی کی جائے''۔ (خلاصہ الوصیت)

(۳) رواداری اور درگزر

اسلام نے جو اصول وضوابط دیئے ہیں وہ تمام قسم کے سماج اور معاشروں میں قابل عمل ہیں۔ اس میں برداشت، تحمل اور رواداری ہے۔ اسلام کسی قسم کے جبر کا قائل نہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے ذریعہ ہدایت وضلالت اور حق و باطل کے درمیان فرق واضح کر دیا ہے۔ اب کوئی اپنی مرضی اور اختیار وارادہ سے اپنے لئے کوئی سا راستہ منتخب کر سکتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رواداری کا یہ عالم تھا کہ آپؐ نے کفار کو مہمان ٹھہرایا ہے اور غیر مسلموں کے وفود سے نہ صرف مسجد میں مذاکرات کئے ہیں بلکہ انہیں اپنے طریقے کے مطابق عبادت کی آزادی دی ہے۔ اسی طرح آپؐ کا مدینے کے یہودیوں اور دوسرے لوگوں سے معاہدہ نہ صرف غیر مسلموں کے حقوق پر روشنی ڈالتا ہے بلکہ رواداری کی بہترین مثال ہے۔ یہ معاہدہ میثاق مدینہ کے نام سے مشہور ہے۔ قرآن حکیم نے صدقات وخیرات میں مسلم و غیر مسلم کی تفریق نہیں کی۔ اس کو انسانیت کی بنیاد قرار دیا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''ان کی ہدایت تیرے ذمہ نہیں اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جو کوئی بھی اچھی چیز تم خرچ کرو گے وہ تمہارے اپنے ہی لئے ہے اور تم صرف اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرتے ہو اور جو کچھ مال تم خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا پورا دیا جائے گا اور تمہیں کوئی نقصان نہیں ہوگا''۔ (سورۃ البقرہ)

اسلام دین انسانیت ہے وہ اپنا فیض صرف مسلمانوں تک محدود نہیں کرتا۔ حتیٰ کہ غیر مسلم والدین سے بھی حسنِ سلوک کی تاکید کی گئی ہے۔ ایک صحابیؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا میری والدہ مشرکہ ہیں وہ میرے پاس کچھ طلب کرنے آئی ہیں میں ان سے کیسا سلوک کروں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: والدہ سے حسنِ سلوک کرو اور خلافِ شریعت حکم نہ مانو اللہ اور رسول کی مخالفت میں کسی کی اطاعت نہیں۔ اسلام کی وسعت قلبی اور رواداری کی یہ تعلیم قرآن شریف میں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ کا ترجمہ ہے:

''کوئی قوم کسی دوسری قوم کا مذاق نہ اڑائے نہ اس کی تحقیر کرے، ہوسکتا ہے وہ اس سے بہتر ہوں اور نہ دوسرے لوگوں کے برے نام رکھو''۔ (سورۃ الحجرات)

اور دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''یہ کافر لوگ خدا کو چھوڑ کر جن معبودان باطلہ کی پوجا کرتے ہیں ان کو گالی مت دو۔ ایسا نہ ہو کہ یہ عدم علم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو برا کہیں''۔ (سورۃ الانعام)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام تعصبات کا قلع قمع کر دیا۔ آپؐ نے اہل کتاب کی عورتوں سے شادی کو جائز قرار دیا بلکہ خود خیبر کی یہودی عورت صفیہ سے شادی کی اور مصر کی عیسائی عورت مریم سے شادی کر کے ان قوموں کے دلوں سے تعصب دور کیا۔ ہندو کے لئے غیر ہندو سے شادی کرنا آج بھی ناجائز ہے۔ اسی طرح یہودی کا غیر یہودی سے شادی کرنا حرام سمجھا جاتا ہے لیکن اسلام اس طرح کے تعصبات کا قائل نہیں۔ اہل مغرب عام طور پر اہل مشرق کو اپنے سے کم تر خیال کرتے ہیں لیکن ان کے سامنے مشرق کے طالب علم مغرب کی یونیورسٹیوں میں امتیازی کامیابیاں حاصل کرتے ہیں ۔ موجودہ زمانہ میں بعض ہندوؤں نے مسلمانوں کو روحانیت کا گرو تسلیم کیا ہے۔ یورپ نے مصر کے عالم شیخ محمد عبدہ اور ان کے استاد شیخ جمال الدین افغانی کو ذہانت اور اخلاق کے حوالہ سے بلند پایہ تسلیم کیا ہے۔

(۴) شرفِ انسانیت کا قیام

اسلام کی ایک بڑی خوبی شرفِ انسانیت کو قائم کرنا ہے۔ اس میں عزت و تکریم کا مستحق صرف مسلمان کو قرار نہیں دیا گیا بلکہ بنی آدم ہونے کی حیثیت سے سب کا احترام ضروری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ کا ترجمہ ہے:

''ہم نے بنی نوع انسان کو قابل تکریم بنایا ہے''۔ (سورۃ بنی اسرائیل)

اسلام میں کسی سے نفرت نہیں سب سے محبت کا درس دیا گیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کا احترام کیا، ان کی مدد کی، کمزوروں، بیماروں پر رحم کیا۔ ان کی دستگیری فرمائی۔ غریب غیر مسلموں کا جذیہ معاف کیا۔ ان کے دکھوں کا مداوا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ آپؐ کے حسنِ سلوک کو دیکھ کر مسلمان

ہوجاتے تھے۔ ہندوؤں، یہودیوں اور عیسائیوں کے نزدیک غیر اقوام ملیچھ بے دین اور کافر ہیں بلکہ سور اور کتے ہیں۔ وہ اس قابل نہیں کہ ان کو انسان سمجھا جائے۔ چنانچہ انجیل میں لکھا ہے:

''پاک چیز کتوں کو نہ دو اور اپنے موتی سوروں کے آگے نہ پھینکو''۔

(متی باب ۷ آیت ۶)

اس کے برعکس اسلام شرف انسانیت کا علم بردار ہے۔ یہاں خدا کا محبوب وہی ہوسکتا ہے جو خدا کی مخلوق کے لئے نفع رساں ہے۔ ان کی کفالت کرے اور ان کا ہمدرد بنے۔ چنانچہ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ساری مخلوق اللہ کا کنبہ یا قبیلہ ہے اللہ کو وہ ہی پیارا ہے جو اس کی مخلوق سے پیار کرتا ہے''۔

ماضی قریب میں مہاتمہ گاندھی نے ہندوستان کے اچھوتوں کی حالت دیکھ کر ان کو انسانیت کا درجہ دینے کے لئے زبردست جدوجہد کی لیکن کامیاب نہ ہوسکے حالانکہ ہر ہندوان کی تعظیم کرتا تھا۔ پھر بھی وہ ناکام رہے لیکن سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے گورے اور کالے، آقا و غلام اور حاکم و محکوم کو ایک ہی صف میں کھڑا کردیا۔ اس لئے آپ ؐ کا نام قیامت تک شرفِ انسانیت کا ضامن ہے۔

(۵) رہبانیت منع ہے

اسلام کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں رہبانیت نہیں ہے۔ انسان بھرپور سماجی و معاشرتی زندگی گزارتے ہوئے اور اپنے معاشی و اقتصادی فرائض ادا کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرسکتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ:''خدا تعالیٰ کے مومن بندے وہ ہیں کہ تجارت اور خرید و فروخت انہیں خدا کے ذکر سے غافل نہیں کرتی'' (سورۃ النور)

انسان جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہوئے زندگی گزارتا ہے تو ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو پیش نظر رکھتا ہے۔ تو اس کا سونا اور جاگنا، کاروبار میں مشغول ہونا اور ازدواجی زندگی کی ذمہ داریوں کو ادا کرنا اور اپنے اہل و عیال کے حقوق ادا کرنا سب عبادت بن جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کو راضی کرنے اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے معاشرے سے الگ ہوکر گوشہ تنہائی میں بیٹھ جانا اور معاشرتی و سماجی ذمہ داریوں سے راہِ فرار اختیار کرنا اسلام کو پسند نہیں۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اسلام میں رہبانیت نہیں ہے'' (حدیث نبوی)

گذشتہ قوموں نے قربِ خداوندی حاصل کرنے کے لئے گوشہ گیری اور خلوت گذینی کی بدعت ایجاد کی اور دین میں غلو کرکے اپنی جانوں پر زیادتی کی اور اپنے نفسوں کو مشقت میں ڈالا لیکن اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ دین آسان ہے۔ خوشخبری دیا کرو، تنگی پیدا نہ کرو اور دین میں غلو اور مبالغہ نہ کرو۔ رات کو جلدی سوجاؤ تا کہ صبح جلدی اٹھ کر اپنے رب کا ذکر کرسکو جو شخص رات کو اس نیت سے جلدی سوجاتا ہے تا کہ رات کے آخری حصے میں اٹھ کر نمازِ تہجد ادا کرے اور تلاوت قرآن کرے تو اس شخص کا رات کو سونا بھی عبادت میں لکھا جاتا ہے بعض صحابہؓ نے اجازت طلب کی کہ ہم دن کو روزہ رکھیں گے اور تمام رات عبادت میں گذاریں گے لیکن آپ ؐ نے منع کردیا۔

(۶) اسلام اور اجتہاد

اسلام چونکہ ایک بین الاقوامی، ہمہ گیر، عالمگیر اور آفاقی دین ہے اور تمام اقوام اور تمام معاشروں کے لئے اس کی تعلیمات قابل عمل ہیں اس لئے ضروری ہے کہ نئے احوال و ظروف میں اور بدلتے ہوئے حالات میں اور نئے پیش آمدہ مسائل میں اجتہاد کی اجازت ہو چنانچہ قرآن و حدیث میں نہ صرف اجتہاد کی اجازت ہے بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔ قرآن حکیم میں جابجا تفکر و تدبر اور مظاہرِ کائنات پر غور و فکر کا حکم موجود ہے۔ خود نظام کائنات ہمیں غور و فکر کی دعوت ہے اور کائنات ارضی و سماوی ہمیں اپنے خالق و صانع اور ایک موجد کا پتہ دیتی ہے۔ یہ رات اور دن کا آنا اور جانا موسموں کا تغیر و تبدل اور زمینی و آسمانی آفات یہ ہمیں غور و فکر پر مجبور کرتی ہیں۔ خالق کائنات اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اصول و قوانین بیان کردیئے ہیں۔ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا نمونہ اور اسوہ حسنہ ہمارے لئے چھوڑا ہے۔ لہٰذا قرآن و سنت کے اصولوں کی روشنی میں ہمیں دورِ جدید کے مسائل کے حل کے لئے اجتہاد کرنا چاہیے۔ ہمارے آئمہ اور مجتہدین نے قرآن و سنت کے متعین کردہ اصولوں کی روشنی میں اپنے اپنے زمانہ کی ضروریات کے لئے اجتہاد کیا۔ ہمیں انہیں کے متعین کردہ اصول و قوانین کو سامنے

رکھ کر اپنے دور کے مسائل کا حل تلاش کرنا ہوگا۔ اس میں ان بزرگوں کی تحقیر نہیں بلکہ اجتہاد ان بزرگوں کی سنت ہے اور ان کے کام کو آگے بڑھانا ہے۔ صحابہ کرامؓ بھی بعض مشکل مسائل کے حل میں اجتہاد سے کام لیتے تھے۔ ان میں سے حضرت علیؓ بن ابی طالب، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت حذیفہؓ ابن یمان، اور حضرت عمرؓ ابن العاص خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ان بزرگوں نے اپنے اجتہاد سے جن مسائل کے بارے میں فتاویٰ صادر فرمائے۔ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف پسند فرمایا بلکہ ان کی تعریف فرمائی اور اجر وثواب کا وعدہ فرمایا۔

یہ امر بالکل واضح ہے کہ اجتہاد کتاب وسنت کو منسوخ نہیں کرتا بلکہ عملی تعبیر و تشریح کا نام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے''۔ (حدیث نبوی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذؓ کو یمن بھیجا تو پوچھا وہاں فیصلے کیسے کرو گے تو انہوں نے عرض کیا کتاب وسنت کی روشنی میں فیصلے کروں گا۔ اور جب کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں مسئلہ کا حل نہیں ملے گا تو اجتہاد کروں گا تو آپؐ نے خوش ہو کر فرمایا: ''خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے رسول کے رسول (قاصد) کو اس کی توفیق دی۔

اس سے یہ بھی واضح ہے کہ رسول کا لفظ مجازی طور پر غیر نبی کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے تمام مجددین اور آئمہ اپنے اپنے زمانہ کے رسول تھے۔ یعنی خدا تعالیٰ نے انہیں اپنے آخری رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی تجدید کے لئے بھیجا اور ظاہر ہے کہ جو بھی من جانب اللہ اور مامور من اللہ ہوگا وہ لغوی ومجازی معنوں میں رسول ہوگا۔ اور یہ معنی حدیث مجدد سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ جو خدا کی طرف سے مبعوث ہوگا وہ اس کا فرستادہ اور رسول ہوگا۔ لیکن چونکہ عام لوگ اس فرق کو نہیں سمجھ سکتے اس لئے بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مجدد صد چہار دہم نے عام بول چال میں اس کے استعمال سے منع فرما دیا حالانکہ حضرت اقدسؑ کے الہامات میں خدا تعالیٰ نے آپؑ کو بار بار نبی اور رسول کے الفاظ سے پکارا ہے تو اگر شریعت میں مجازی طور پر ایک لفظ کا استعمال جائز ہے تو جب الہاماً اس کی تصدیق بھی ہو جائے تو فتویٰ کیوں؟

کوئٹہ میں وحشت

عامر عزیز الازہری (10 جنوری 2013ء

جنوری کی یخ بستہ ہوا
ہڈیوں کو چٹخاتی ہوئی
پیغام دیتی ہے
انسان کا لہو جم گیا
ضمیر کا ناتمام سفر تھم گیا
یہ یخ بستہ ہوا
بھیڑیوں کی فطرت نہ بدل سکی
درندوں کی درندگی جیت گئی
کہ چند ٹکڑوں پر بھی مطمئن ہے
مگر ہوس آدم یخ بستہ ہوا کی مانند
ہڈیوں کو چٹخاتی ہوئی
پیغام دیتی ہے
انسان کی وحشت کا عالم
ناتمام ہے ابھی

☆☆☆☆

زندگی و موت------ایک عظیم وراثت

عزیزم ناصر احمد فرزند مولانا آفتاب الدین احمد کے جذباتِ صبر و تسکین

۱۳ جنوری ۱۹۵۶ء کو ۹ بجے کے قریب قریب میرے پیارے ابا جان نے اس دنیائے فانی کو خیر باد کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ میں اس وقت لا کالج میں امتحان کے کمرہ میں بیٹھا ہوا آخری سوال کے آخری جز کو حل کر رہا تھا۔ جبکہ میرے ایک عزیز دوست نے آ کر کہا کہ پرچہ چھوڑ دو۔ اس وقت مجھے کیا خبر تھی کہ یہ خبر مجھے میرے والد صاحب کی سرپرستی سے جدا کرنے کی ہے اور میں نے ذرا بے اعتنائی برتتے ہوئے کہا کہ اچھا میں ابھی آتا ہوں چنانچہ میں ان کے ساتھ آیا۔ لیکن جب میں گلی کے سرے پر پہنچا تو اس نے بتایا کہ تمہارے والد صاحب وفات پا چکے ہیں اور میں راستے میں یہ سوچتا رہا کہ ابھی ابا جان نہیں فوت ہو سکتے اور خدا انہیں ضرور موقعہ دے گا کہ وہ حدیث کے انگریزی ترجمہ کو ختم کر سکیں۔ خیر خدا بہتر جاننے والا ہے۔

ایک بیش بہا وراثت

جب میں گھر میں آیا اور رضائی کو اٹھا کر ابا جان کے چہرے کو دیکھا تو ان کے چہرے سے تسکین اور متانت اس طرح ٹپک رہی تھی کہ میرے دل میں ایک محبت اور سکون پیدا ہو گیا جس کی وجہ سے میں رونے دھونے سے باز رہا۔ میں تو کبھی یہ سوچتا ہوں کہ شاید مجھ میں اپنے باپ سے وہ محبت ہی نہیں جو آنکھوں کو رلاتی اور دل کو بے چین کر دیتی ہے، لیکن فی الحقیقت یہ ان کے چہرے کی طمانیت تھی جس نے میرے دل میں صبر و سکون پیدا کر دیا۔ غرضیکہ ان کی زندگی اور موت دونوں ہم سب کے لئے ایک بیش بہا وراثت ہے جو ہمیں میسر ہوئی اور جس کی آبیاری ہم سب بھائیوں کا فرض اولین ہے۔

ترجمہ بخاری کے متعلق آخری گفتگو

وفات سے ایک دن پہلے رات کو مجھے بلایا اور صحیح بخاری کے انگریزی ترجمہ کے دیباچہ کے متعلق گفتگو کرتے رہے اور یہی ان کی آخری گفتگو تھی جو انہوں نے میرے ساتھ کی۔ اس حدیث کے انگریزی ترجمہ کے متعلق ایک بات جو قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ اس کام کو حضرت امیر مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ خود شروع کر گئے تھے۔ اور آخری مرتبہ کراچی جانے سے پہلے انہوں نے ابا جان کو بلا کر یہ کام ان کے سپرد کر دیا اور کہا کہ آپ اس کام کو کریں۔ صرف ہفتہ میں ایک دفعہ مجھے دکھا دیا کریں۔ اس کے بعد حضرت امیر مرحوم کراچی چلے گئے اور پھر وہ زندہ واپس نہ آئے۔ ابا جان نے ان کی خواہش کے مطابق اس کام کو شروع کیا لیکن زندگی نے وفا نہ کی۔ خیر کسی کی موت سے دنیا کے کام رُکا نہیں کرتے۔ خدا کسی اور کو اس کام کے لئے کھڑا کر دے گا۔

قابلِ فخر والد

ابا جان کی زندگی میں اتنے نشیب و فراز ہیں کہ ہم سب بھائیوں کے لئے مشکل سے مشکل مراحل پر ان کی زندگی نہ صرف ہماری رہنمائی کرے گی بلکہ دل میں ایک قوت اور ایمان کا باعث بنے گی۔ ہمیں یہ خبر ہے کہ ہمیں خدا نے ایسا والد عطا کیا جس کی زندگی کا ہر لحہ حتیٰ کہ موت بھی ہمارے لئے ایک مشعل راہ ثابت ہوئی۔ والد کا سایہ دنیا میں ایک بڑی نعمت ہے لیکن ان کی مثالی زندگی ایک ایسا ابدی سایہ ہے جو موت تک ہماری سرپرستی کا موجب ہوگا۔

زندگی کا ابدی ماحصل

کسی چیز کا ماحصل وہی کہلا سکتا ہے جو اس کے فنا ہونے کے بعد بھی اس فانی شئے کے وجود کا پتہ دے۔ دنیا کی تمام مادی اشیا اور عیش و عشرت مادہ کے فنا ہونے کے ساتھ ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ لیکن نیکی اور عبادت گذاری کی زندگی کا ماحصل ابدی ہے جو انسان کے مرنے کے بعد بھی زندہ رہتا اور لوگوں کی زندگیوں کی رہنمائی کرتا ہے۔ ابا جان کی زندگی اس نقطہ نظر سے کامیاب ترین زندگی ہے اور انسانی زندگی کا مقصد اور ابدی ماحصل وہی ہے جس کی طرف خدا، قرآن اور اس کا رسول بلاتا ہے یعنی حی علی الفلاح۔

گھریلو زندگی

ابا جان کی زندگی کے علمی اور معاشرتی پہلوؤں سے تو لوگ واقف ہوں گے

لیکن گھریلو زندگی سے کم لوگ واقف ہیں۔ گرمیوں کے دنوں میں ابا جان بلا ناغہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ملفوظات ہمیں سناتے اور قرآن کا درس دیتے تھے۔ اور نماز وغیرہ کی تلقین تو ہر لحہ کرتے رہتے تھے۔ اور اس کے لئے کبھی کبھی وہ ہم پر سختی بھی کیا کرتے تھے جو ہمیں ناگوار بھی گذرتی تھی۔ لیکن آہ۔ اس سختی کا راز آج ہم پر کھلا ہے جبکہ وہ ہم سے جدا ہو چکے ہیں اور کبھی بھی ہم سے نہ مل سکیں گے۔ لیکن ان سے ملنے کا ایک طریق جو ہر وقت موجود ہے وہ یہ ہے کہ ہم اپنے اندر وہ جذبہ عشق، قربانی اور استقلال پیدا کریں جن کی وجہ سے ان کی زندگی ایک معیاری زندگی بن کر رہنمائی کا باعث ہوئی ہے۔

نوجوانوں سے تعلقات محبت

ابا جان کو نوجوانوں سے بہت محبت تھی۔ وہ نوجوانوں کی سخت کلامی کو بھی برداشت کرتے اور ان کے اعتراضات کو سن کر ان کی تسلی کرنے کی کوشش کرتے وہ نوجوانوں کو قومی زندگی کی جان سمجھتے اور اس چیز کو مدِ نظر رکھ کر ان کو سمجھانے کی کوشش کرتے کیونکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر ان کو قوم کا بار اٹھانے کے قابل نہ بنایا گیا تو کل کو قوم کی کشتی کو کون سنبھالے گا۔

دین اور دنیا

ان کی زندگی کا سب سے بڑا اصول جس پر وہ ساری زندگی کاربند رہے اور جس کی ہمیں بھی تلقین کرتے رہتے تھے یہ ہے کہ دینی کام کو کبھی بھی ہاتھ سے نہ جانے دو، خواہ اس میں دنیاوی لحاظ سے سراسر نقصان ہی کیوں نہ نظر آتا ہو اور کہتے تھے دینی کام کے ذریعے دین و دنیا دونوں ملتے ہیں۔ تم دینی کام کرو دنیا تمہارے قدموں میں آ کر گرے گی۔ اور واقعی ان کی موت نے اس اصول کی صداقت ہم پر ثابت کر دی ہے۔ آج ہر شخص ان کی موت پر زار و قطار رو رہا ہے اور ہر ایک اپنی یہ سعادت مندی سمجھتا ہے کہ ان کے بال بچوں کی ہر رنگ میں امداد کی جائے۔

آخری پیغام قوم کے نام

پیغام صلح کے خصوصی نمبر میں (جو ۲۱ دسمبر ۱۹۵۵ء کو شائع ہوا) ابا جان نے قوم کو ایک خاص پیغام دیا تھا جو انہی کے الفاظ میں حسب ذیل ہے:

''اسلام کی صداقت کے دلائل و براہین بیشمار ہیں، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر آج تک تحریک احمدیت نے لاتعداد دلائل سے منطقی طور پر اسلام کی سچائی ثابت کر کے دکھلائی ہے، مگر ہمارا ثبوت ادھورا اور سطحی رہے گا اگر ہم ان دلائل کے ساتھ قلب مطمئنہ پیش نہ کر سکیں، دلائل سے عقل کی پیاس تو بجھتی ہے مگر قلب کی تشنگی کو دور کرنے کے لئے قلبی اطمینان ہی کی ضرورت ہے۔ یاجوج ماجوج کی قوم کو کیا کہیں وہ تو بہت ذہین لوگ ہیں اور ان کا دوزخ اتنا بھڑک اٹھا ہے کہ وہ خود اس کو بجھانے کے لئے دوڑے پھرتے ہیں کیونکہ خود ان کے پاس اس آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے کوئی سامان نہیں ہمارے اپنے لوگ بھی مغرب سے مستعار لی ہوئی اس مادیت کی پیاس کی جلن کو اپنے اندر محسوس کرنے لگے ہیں اور اس کا مداوا تلاش کر رہے ہیں، ہماری علمی بخشیں ان کو سکون نہیں پہنچا سکتیں جب تک ایسا روحانی اثر پیدا نہ ہو جو قلبی اطمینان پیدا کر سکے، ایک بڑے ذہین احمدی نے ایک دفعہ ایک بڑے پایہ کے مبلغ سے یہی سوال کیا ''کیا آپ کو اطمینان قلب حاصل ہے''؟ سوال کا جواب انہوں نے کیا دیا؟ اس سے میری بحث کو کوئی تعلق نہیں، میرا مطلب صرف یہی ہے کہ ہم احمدیوں کو خود اس بات کا شعور ہونا چاہیے کہ ہماری تحریک کا منتہائے مقصود نفسِ مطمئنہ حاصل کرنا ہے اور یہی وہ اصل چیز ہے جو ہمیں دنیا کو دینی ہے اور جس کی دنیا ہم سے توقع رکھتی ہے کہ ہم اسے دیں گے اگر یہ صحیح ہے تو ہمیں چاہیے کہ اس طرف خاص توجہ کریں جس کی طرف مولانا عزیز بخش صاحب نے اپنی خاموش عملی زندگی کے ذریعہ ہماری رہبری کی اور جس پر چلانے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام آئے تھے''۔

آدی باسیوں کے دلی ہمدرد تھے

سوامی کلجگانند صدر آل پاکستان آدی باسی لیگ کا بیان:

''لاہور ۲۲ جنوری سوامی کلجگانند کبیر پنتھی، صدر آل پاکستان آدی باسی لیگ نے ایک بیان میں کہا کہ جناب مولانا آفتاب الدین احمد صاحب سے میرے تعلقات آٹھ دس سال سے تھے۔ آپ ''آدی باسیوں'' کے دلی ہمدرد اور غمخوار تھے۔ ''مولانا کی وفات'' سے اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ دین کا آفتاب غروب ہو گیا۔ دین انسانیت سکھاتا ہے۔ مولانا انسانیت نواز تھے۔ مولانا صاحب بنگالی تھے لیکن اُردو کے زبردست حامی تھے، مولانا ''بھگت کبیر داس'' کی تعلیم کے بھی بہت بڑے مداح تھے جب میں نے بھگت کبیر داس جی کے حالات زندگی پر ایک مضمون ''لائٹ'' اخبار میں اشاعت کے لئے دیا تھا تو اس پر آپ نے ایک بہترین نوٹ بھی لکھا تھا۔ اس طرح کی بہت سی چیزیں رہتی دنیا تک آپ کی یادگار رہیں گی۔ ان کی اچانک وفات سے جو صدمہ ان کے عزیزوں کو ہے اس میں بھی اپنے آپ کو شریک خیال کرتا ہوں''۔

میجر (ر) اعجاز الحق بٹ صاحب (قسط دوم)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرآن وحدیث اور انجیل کی روشنی میں

''اور یہ دلیل ہماری ہے جو دی تھی ہم نے حضرت ابراہیم کو قوم پر اور بلند کرتے ہیں ہم درجے جس کو چاہتے ہیں ۔ بے شک میرا رب حکمت والا علم والا ہے۔اور دی ہم نے اسحاق و یعقوب کو ہدایت اور نوح کو اس سے پہلے اور اس کی اولاد سلیمان وایوب و یوسف وموسیٰ وہارون اور اس طرح ہم جزا دیتے ہیں احسان کرنے والوں کو اور زکریا و یحیٰی والیاس تمام صالحوں میں سے تھے''۔
(الانعام 6/83 تا 85)

''اور کہا یہود نے عزیز اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔یہ بات ان کے منہ کی ہے، یہ بات ان کی ہے جو پہلے کافر ہوئے ۔ان لوگوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو پروردگار مانا سوائے اللہ کے اور مسیح ابن مریم نے ان کو ہی حکم دیا گیا تھا کہ بندگی کرو ایک اللہ کی ،کوئی معبود نہیں ایک ہے۔اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں پاک ہے ہر شرک سے وہ ارادہ کرتے ہیں کہ اللہ روشنی (نور) کو موہنوں سے بجھادیں ۔ اللہ اپنے نور کو پورا کرتا ہے چاہے کافر ناخوش ہوں''۔(التوبہ 9/30،31)

''اے ہارون کی بہن نہ تیرا باپ بُرا تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی پس اشارہ کیا اس نے (حضرت عیسیٰ کی طرف) انہوں نے کہا ہم ان سے کیا بات کریں کہ جو گود میں تھا لڑکا کہا یقیناً میں اللہ کا بندہ ہوں ۔ مجھے کتاب دی گئی ہے اور مجھے نبی بنایا گیا ہے اور مجھے برکت والا بنایا ہے اور حکم مجھے دیا گیا ہے کہ نماز پڑھوں اور زکوٰۃ دوں جب تک زندہ ہوں ۔ میں اپنی ماں کے ساتھ خوش سلوکی کرتا ہوں اور مجھے سرکش اور بدبخت نہ بنایا گیا ہے ۔اور مجھ پر سلامتی ہے جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں گا اور جس دن اٹھوں گا زندہ ہوکر اور یہ ہے بات حق کی عیسیٰ ابن مریم جس میں وہ شک کرتے ہیں''۔(مریم 19/28 تا 34)

''اور ابن مریم اور اس کی ماں کو نشانی بنایا اور ان کو پناہ دی ہم نے (ربوہ) بلند زمین ہموار جگہ رہنے والی چشموں والی ہیں'' (المومنون 23/50)

''تمہارے دین کے لئے مقرر کیا ہے۔وہ چیز کہ حکم کیا تھا حضرت نوح کو اور جو وحی کی تمہاری طرف اور حکم دیا تھا اس کا حضرت ابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ کو قائم رکھو دین کو توحید کے ساتھ اور اس کے بیچ تفرقہ نہ ڈالو۔شرک نہ کرو اللہ جس کو چاہتا ہے۔ہدایت دیتا ہے اس شخص کو جو رجوع کرتا''۔(الشوریٰ 42/13)

''اور جب مریم کے بیٹے کی مثال بیان کی جاتی ہے تو تیری قوم اس پر چلا اٹھتی ہے''۔(الزخرف 43/57)

''اور جب عیسیٰ کھلی دلیلیں لے کر آیا، کہا میں تمہارے پاس حکمت لایا ہوں اور تا کہ میں بعض وہ باتیں کھول کر بیان کروں جن میں تم اختلاف کرتے ہو۔سو اللہ کا تقویٰ کرو اور میری فرماں برداری کرو وہ اللہ ہی میرا اور تمہارا رب ہے سو اس کی عبادت کرو، یہ سیدھا راستہ ہے''۔(الزخرف 43/63،64)

''پھر ان کے قدموں پر ہم اور پیغمبر لائے اور پیچھے لائے ہم حضرت عیسیٰ ابن مریم کو اور ہم نے اس کو انجیل دی اور جو کوئی اس کی پیروی کرتے تھے ان کے دل میں شفقت ڈال دی اور رہبانیت انہوں نے خود چنی ہم نے ان کو حکم نہ دیا تھا۔لیکن انہوں نے اللہ کو خوش کرنے کے لئے یہ نکالی اور دیا ہم نے ان کو اس کا ثواب مگر ان میں بہت سے فاسق ہیں'' (الحدید 57/27)

''اور حضرت عیسیٰ ابن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل میں اللہ کی طرف سے رسول ہوں اس بات کی تصدیق کرتا ہوں جو مجھ سے پہلے ہے توریت اور خوشخبری دیتا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمدؐ ہے۔پس جب وہ آیا ساتھ دلیلوں کے تو انہوں نے کہا یہ تو کھلا جادو ہے''۔(الصف 61/6)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو جاؤ اللہ کی مدد دینے والے جیسا کہ کہا عیسیٰ ابن مریم نے اپنے حواریوں کو کہ کون میری طرف اللہ کی مدد دینے والا ہے۔حواریوں

نے کہا ہم مدد دینے والے ہیں پس ایمان لایا ایک فرقہ بنی اسرائیل سے اور کفر کیا ایک فرقے نے پس مدد دی ہم نے جو ایمان لائے تھے ان لوگوں پر جو انکے دشمن تھے پس وہ غالب ہو گئے''۔(الصّف 14/61)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام انجیل کی رُو سے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل کی آیات نمبر 12، 13، 14 اور 15 کا ذکر ہم کرتے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔ ان آیات کی رُو سے یہ ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک قبائلی نبی تھے جو کہ بنی اسرائیل کے 12 قبائل کے لئے آئے تھے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ تم کو یعنی بنی اسرائیل کو بہت سی باتیں بتانا چاہتے ہیں۔ لیکن تم ان کو برداشت نہ کر سکو گے یعنی دنیا کے لوگ ابھی اتنے سوجھ بوجھ کے قابل نہیں ہوئے ہیں اور دوسری بات یہ کہ ابھی دنیا گلوبل ولیج نہ بنی ہے یعنی لوگ آپس میں ملائے نہ گئے ہیں۔ ذرائع ابلاغ ابھی اتنے نہ ہوئے ہیں لہذا جب آخری نبی حضرت محمد صلعم تشریف لائیں گے تو وہ تمام باتیں تم کو بتائیں گے جو وہ اللہ سے خبر پائیں گے اپنی طرف سے کچھ نہ کہیں گے۔

12 ''مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے''

13 ''لیکن جب وہ یعنی روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا''۔

14 ''وہ میرا جلال ظاہر کرے گا، اس لئے کہ مجھ ہی سے حاصل کر کے تمہیں خبریں دے گا''۔

15 ''جو کچھ باپ کا ہے وہ سب میرا ہے، اس لئے میں نے کہا کہ وہ مجھ ہی سے حاصل کرتا ہے اور تمہیں خبریں دے گا''۔(باب 16-5)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام حدیث کی رُو سے

اب ہم اس واقعہ کا ذکر کرتے ہیں جب نجران کا عیسائی وفد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ میں ملا اور ان سے کیا گفتگو ہوئی:

کن فیکون کے ذریعہ معرض وجود میں آئے

اس مثال کے لئے عیسائی معترضین قرآن کریم کی درج ذیل آیت کا حوالہ دیتے ہیں:

''بے شک عیسیٰؑ کی حالت اللہ کے نزدیک آدم کے حالت کی مانند ہے اسے مٹی سے پیدا کیا پھر اسے کہا ہو جاء، پس وہ ہو جاتا ہے۔ یہ حق تیرے رب کی طرف سے ہے پس تو جھگڑنے والوں میں سے نہ ہو''(۳:۵۸-۵۹)

قرآن کریم کے مفسرین اور دیگر اہلِ علم خواہ وہ جدید ہیں یا قدیم اس بات پر اتفاق کرتے ہیں اور اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ جب قرآن کریم کی یہ اور دیگر ایسی آیات کا نزول ہوا تو رسول اکرمؐ کی اس وقت نجران کے عیسائی وفد سے بحث ہو رہی تھی۔ یہ ہجری کا دسواں سال تھا۔ یہ وفد ساٹھ مردوں پر مشتمل تھا۔ نجران کے عیسائیوں کے وفد کے سربراہ کا نام عبدالمسیح تھا۔

یہ بحث مسجد نبویؐ میں ہوئی جہاں وفد فروکش تھا اور اسے اپنی عبادت کی اجازت تھی۔ ''صراط الحلبیہ'' میں اس وفد کے بارے میں تفصیل کے ساتھ بیان درج ہے۔ معرض بحث حضرت عیسیٰؑ کی الوہیت کا مقام تھا۔ نجران کے سربراہ نے بحث کا آغاز کیا اور حضور اکرمؐ سے پوچھا:

''انہوں نے پوچھا، تم ہمارے صاحب کے بارے میں کیا سمجھتے ہو؟ (''صراط الحلبیہ'' میں پوچھنے والا کا ضمیر جمع لکھا گیا ہے اس لئے کہ عبدالمسیح اپنے اور اپنے اراکین وفد کی طرف سے استفسار کر رہا تھا)

رسول اللہ صلعم نے اس پر پوچھا: ''تمہارا صاحب کون ہے؟

انہوں نے جواب دیا: عیسیٰؑ۔

انہوں نے مزید پوچھا: کیا تم اسے اللہ کا بندہ مانتے ہو؟

رسول اللہؐ نے کہا: ہاں!

اس کے بعد انہوں نے پوچھا: کیا تم نے اس کے مانند کسی اور کو دیکھا ہے؟ یا کسی نے اس کی مانند کسی اور کو بھی بتلایا ہے؟ وہ خدا ہے کہ اس کا کوئی باپ نہ تھا۔ اس نے مردوں کو زندہ کیا۔ اس نے غیب کی خبریں دیں۔ اس نے کوڑھیوں کو صحت یاب کیا۔ اور مٹی سے پرندے بنائے۔ اس فضیلت کو دیکھیں اور کیا اب بھی ایسے

شخص کواللہ کا بندہ کہتے ہو؟

(سیرت الحلبی جلد۳:۴احمد زینی: انوارالمحمد یہ جلد۲:۲۱۱)

حضور اکرمؐ نے فوراً اس کا جواب نہ دیا۔لیکن اسی وقت وحی کا نزول ہوا اور یہ وحی نازل ہوئی:

''بیشک عیسیٰؑ کی حالت اللہ کے نزدیک آدم کی حالت کی مانند ہے اسے مٹی سے پیدا کیا پھر اسے کہا ہو جا، پس وہ ہو گیا''۔(۵۹:۳)

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ یہ آیت یہ نہیں بیان کرتی کہ حضرت عیسیٰؑ کی تخلیق آدم کی طرح تھی۔اس سلسلے میں اب میں تفسیر ابن جریر الطبری (جلد۳ص ص۱۰۰۔۱۰۱،مصر۔روح المعانی جلد:۳ص۷۵، بیروت، لبنان) سے وفد کے متعلق تفصیل اور اس کی رسول اکریم صلعم سے بحث کے عربی متن کو درج کرتا ہوں جو اس آیت کے تحت ہوئی:

پوری عربی عبارت کا لفظی ترجمہ حسب ذیل ہے:

''مجھ سے بیان کیا مثنیٰ نے۔کہا کہ ان سے بیان کیا اسحٰق نے کہ ان سے کہا ابی جعفر نے جس نے سنا اپنے والد سے جس نے سنا الربیع سے کہ اس الٰہی قول اللہ **لا اله الا هو الحی القیوم** کے متعلق بیان کیا کہ عیسائی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپؐ سے عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں جھگڑا کیا۔

آپؐ نے پوچھا: اس کا باپ کون ہے؟

تو انہوں نے جواب میں اللہ تعالیٰ پر جھوٹ اور بہتان باندھا (یعنی کہ اللہ اس کا باپ ہے۔مترجم)

آپؐ نے کہا: اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔نہ اس نے اپنے لئے بیوی رکھی اور نہ اس کے ہاں بیٹا ہوا۔

نبی کریمؐ نے فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ ہر بیٹا اپنے باپ سے مشابہہ ہوتا ہے۔

انہوں نے جواب دیا: ہاں

آپؐ نے فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارا رب زندہ ہے اور نہیں مرے گا جبکہ عیسیٰؑ پر فنا (موت) آئی۔

تو انہوں نے جواب دیا: ہاں

اس پر نبی کریمؐ نے فرمایا: ہمارا رب ہر چیز کو قائم کرنے والا، اس کا نگران، حفاظت کرنے والا اور رزق دینے والا ہے۔

انہوں نے کہا: ہاں

پھر نبی کریمؐ نے کہا: عیسیٰؑ تو ان میں سے کوئی صفت بھی نہیں رکھتے۔

انہوں نے کہا: نہیں

پھر رسول کریمؐ نے فرمایا: کیا تم نہیں جانتے ہو کہ اللہ عزوجل سے زمین اور آسمان میں کوئی چیز مخفی نہیں۔

انہوں نے کہا: ہاں

رسول کریمؐ نے فرمایا: کیا عیسیٰؑ کو ان میں سے کوئی علم تھا سوائے اس کے جو (اللہ نے) انہیں سکھایا۔

انہوں نے کہا: نہیں

رسول کریمؐ نے کہا: ہمارے رب نے عیسیٰؑ کو رحم مادر میں شکل وصورت دی جیسا کہ اس نے چاہا۔

رسول کریمؐ نے فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارا رب نہ کھانا کھاتا ہے نہ کوئی مشروب پیتا ہے اور نہ ہی جسم سے کوئی فضلہ خارج کرتا ہے۔

انہوں نے جواب دیا: ہاں (یعنی کہ ہاں، ہم جانتے ہیں)

آپؐ نے فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ عیسیٰؑ کو ایک عورت (اس کی ماں) نے حمل میں لیا جیسا کہ عورت حاملہ ہوتی ہے۔پھر اسے جنا جیسا کہ عورت اپنا بچہ جنتی ہے۔پھر اس کو غذا دی جیسا کہ بچے کو غذا دی جاتی ہے۔پھر وہ کھانا کھاتا رہا اور مشروب پیتا تھا اور فضلہ خارج کرتا تھا۔

انہوں نے کہا: ہاں (یعنی ہاں ہم جانتے ہیں)

آپؐ نے کہا: پھر ایسا کس طرح ہو سکتا ہے جیسا کہ تم خیال کرتے ہو۔(یعنی عیسیٰؑ خدا کیسے ہو سکتا ہے)

راوی کہتے ہیں کہ وہ سمجھ تو گئے مگر انکار کرتے رہے اور جھگڑتے رہے، جس پر اللہ عزوجل نے یہ آیت اتاری اللہ **لا اله الا هو الحی القیوم**۔

آگے چل کر اسی ضمن میں طبری یہ حدیث لاتے ہیں جس سے یہ بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ الحی کی صفت حضرت عیسیٰؑ پر صادق نہیں آتی کیونکہ ان کو صلیب دیا گیا اور موت آئی۔

''ہم سے بیان کیا محمد بن حمید نے کہ ان سے بیان کیا سلمہ بن فضل نے جو یہ کہتے ہیں کہ مجھے محمد بن اسحاق نے روایت کی تھی کہ انہوں نے محمد بن زبیر سے سنا الحی وہ ذات ہے جس کو موت نہیں لیکن عیسیٰؑ کو موت آئی (قدمات) اور وہ صلیب دیا گیا جیسا کہ ان لوگوں نے یہ تسلیم کیا تھا یعنی نجران کے ان عیسائیوں کے ان احبار (علماء) نے رسول اللہؐ سے بحث مباحثہ کیا تھا۔

ربیع بیان کرتا ہے کہ عیسائی وفد کے اراکین اس سوال کا جواب نہ دے سکے۔ اور نہ ہی اتفاق کیا اور اپنے مفروضے پر اصرار کرتے تھے۔ آخر کار پیغمبر خداؐ کے مطابق دعوت مباہلہ کی جانب بلایا:

''حق تیرے رب کی طرف سے ہے پس تو جھگڑا کرنے والوں میں سے نہ ہو۔ پھر اگر کوئی اس کے بعد جو تیرے پاس علم آچکا، اس کے بارے میں جھگڑا کرے تو کہہ، آؤ ہم اپنے بیٹوں اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں اور تمہاری عورتوں کو اور اپنے لوگوں اور تمہارے لوگوں کو بلائیں۔ پھر گڑ گڑا کر دعا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کریں''۔(۳:۶۰)

اس مسئلے پر غور کرنے کے لئے عیسائی وفد کچھ مہلت چاہتا تھا۔ دوسرے دن عبدالمسیح اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ آیا، اس نے پیغمبر اسلامؐ کو بتایا کہ انہوں نے فیصلہ کیا ہے کہ انہیں فیصلہ منظور ہے اور وہ ان کے خلاف دعا نہیں کریں گے۔ اور نہ ان کو اپنے خلاف دعا کرنے کی اجازت دیں گے۔ اس کے پیش نظر ایک صلح نامہ تحریر پایا۔ دونوں فریقوں کو اپنی مرضی کے مطابق مذہبی عقائد پر عمل کرنے کی اجازت دی گئی۔

قرآن کریم میں آدمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی مشابہت بیان کی گئی ہے۔ میں نے اس سلسلہ میں پوری گفتگو تفصیل سے درج کردی ہے کہ رسول کریمؐ اس کو کس طرح سمجھتے تھے اور اس کی تشریح میں انہوں نے انسان کی زندگی کے دو خصائص کا حوالہ بھی دیا۔ ایک بچے کی مشابہت شکل وصورت میں اس کے باپ کے ساتھ اور دوسری مشابہت بچہ کا حمل میں لینا اور اس کی پیدائش، یہ دونوں خصائص یکساں نوعیت کی ہیں۔ آدم کے ساتھ یہ مثالیں اور مشابہتیں بے معنی ہوتیں اگر یہاں آدم سے مراد بائبل میں آدم کی تخلیق کے حوالے سے ہوتا کیونکہ وہ تو بغیر ماں اور باپ کے پیدا ہوا اور بائبل کی رو سے تو اس کو ماں نے حمل میں ہی نہیں لیا۔

تاہم یہ آیت مسلمانوں کے نزدیک حضرت عیسیٰؑ کی الوہیت کے رد کا اعلان کرتی ہے لیکن اگر یہاں بائبل کے آدم سے مشابہت مقصود ہوتا تو پھر یہ مشابہت حضرت عیسیٰؑ کی الوہیت کے رد میں موثر نہ ہوسکتی کیونکہ ان کی پیدائش تو باپ کے بغیر ہوئی۔ اس آیت میں ادا کردہ لفظ آدم سے مراد ایک عام آدمی ہے جو مٹی سے پیدا ہوا۔ حضرت ابن عباسؓ نے یہاں آدم سے مراد محض عام انسان لیا ہے۔ ان کے نزدیک عیسائیوں کے خلاف یہ تبھی دلیل ہوسکتی تھی اگر آدم سے مراد عام آدمی تھا۔ (تفسیر ابن ہشام جلد ۳:۲۰۳)

قرآن مجید بائبل کے آدم کی تخلیق کے نظریہ کو قبول نہیں کرتا بلکہ اس بارے میں وہ خاموش ہے۔

خلاصہ:

قرآن پاک، حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور بائبل (انجیل) کا مطالعہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ:

(۱): حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے سچے نبی اور رسول تھے۔

(۲): حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے (یوحنا کی انجیل) میں یہ خوشخبری دی تھی کہ ان کے بعد ایک بڑا آدمی آئے گا۔ (یعنی حضرت محمد صلعم) جو بہت سی سچی باتیں کرے گا اور یہ رسول تب تک نہیں آئے گا جب تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس دنیا سے چلے نہ جائیں گے۔

(۳): لہذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے اور ان کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جو آخری رسول اور نبی ہیں اور ان کے بعد کوئی نیا یا پرانا نبی نہ آئے گا۔ لہذا تمام گزشتہ نبیوں کے ماننے والوں پر یہ لازم ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور ان کو آخری نبی مانیں تاکہ فلاح پائیں۔

☆☆☆☆

درس قرآن۔۲۲

نصیر احمد فاروقی مرحوم ومغفور

(از: معارف القرآن)

ترجمہ: ’’اور اللہ نے آدم کو سب کے سب نام سکھائے۔ پھر ان کو فرشتوں کے سامنے کیا اور کہا مجھے ان کے نام بتاؤ اگر تم سچے ہو۔ انہوں نے کہا تو پاک ہے ہمیں کوئی علم نہیں مگر وہی جو تو نے ہمیں سکھایا۔ بے شک تو کامل علم والا حکمت والا ہے۔ فرمایا اے آدم ان کے نام انہیں بتاؤ دو۔ پس جب اس نے انہیں ان کے نام بتا دیئے تو فرمایا کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کے غیب کو جانتا ہوں اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔ اور جب ہم نے فرشتوں کو کہا کہ آدم کی فرمانبرداری کرو تو انہوں نے فرمانبرداری کی۔ مگر ابلیس نے نہ کی۔ اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے تھا۔ اور ہم نے کہا اے آدم تو اور تیری بی بی جنت میں رہو اور اس میں سے تم بافراغت کھاؤ جہاں سے چاہو۔ اور اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ پس شیطان نے ان دونوں کو اس سے پھسلا دیا۔ سو اس نے ان دونوں کو اس میں سے نکال دیا جس میں وہ تھے۔ اور ہم نے کہا نکل جاؤ، بعض تم میں سے بعض کے دشمن ہیں۔ اور تمہارے لئے زمین میں ایک وقت تک ٹھہرنا اور فائدہ اٹھانا ہے۔ پھر آدمؑ نے اپنے رب سے کچھ باتیں سیکھیں۔ پس اس کا رب اس پر رجوع برحمت ہوا۔ بیشک وہ رجوع برحمت کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔ ہم نے کہا اس حالت سے نکل جاؤ تم سب کے سب پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس کوئی ہدایت آئے تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی سو نہ ان کو خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اور جنہوں نے انکار کیا اور ہماری باتوں کو جھٹلایا وہی آگ والے ہیں وہ اسی میں رہیں گے‘‘۔

جن صاحبان نے میرے پچھلے دو درس نہیں پڑھے ان کو اس رکوع کے باقی درس کو سمجھنے میں دقت ہوگی مگر میں مجبور ہوں کہ میں ان کو دوہرا نہیں سکتا ورنہ یہ رکوع ختم کرنا مشکل ہو جائے۔ اس لئے میں اس معذرت کے ساتھ باقی آیات کو اب لیتا ہوں۔

ترجمہ: ’’اور اللہ نے آدم کو سب کے سب نام سکھائے پھر ان کو فرشتوں کے سامنے کیا اور کہا مجھے ان کے نام بتاؤ اگر تم سچے ہو۔ انہوں نے کہا تو پاک ہے ہمیں کوئی علم نہیں مگر وہی جو تو نے ہمیں سکھایا۔ بے شک تو کامل علم والا حکمت والا ہے۔ فرمایا اے آدم ان کے نام انہیں بتا دو۔ پس جب اس نے ان کے نام انہیں بتا دیئے تو فرمایا کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کے غیب کو جانتا ہوں اور میں جانتا ہوں کہ جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو‘‘۔

جیسا کہ میں پچھلے درسوں میں بتاتا آیا ہوں کہ یہ کوئی آمنے سامنے بیٹھ کر بات چیت نہیں بلکہ یہ ایک لمبے زمانہ کے واقعات ہیں جنہیں ایک آسان اور عام فہم واقعہ کے رنگ میں بتایا گیا ہے۔ اور حضرت آدم کے واقعہ میں دراصل تمام نسلِ آدم کا ذکر ہے۔ آج کے درس کی پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کس طرح علم دیا۔ آگے فرشتوں نے بھی کہا ہے کہ ہمیں کوئی علم نہیں مگر وہی جو تو نے ہمیں سکھایا۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف ہے کہ اس نے انسان کو یا فرشتوں کو اس طرح پڑھایا جس طرح کہ ایک استاد بچوں کو پڑھاتا ہے بلکہ یہ پڑھانا وحی کے ذریعہ سے ہوتا ہے جس کے معنی اشارہ سریع یعنی تیز اشارہ کے ہیں جو انسان کے قلب میں ہوتا ہے۔ وحی کے لفظ سے سامعین چونکیں نہیں۔ ایک اعلیٰ قسم کی وحی وہ ہوتی ہے جو انبیاء کو ہوتی ہے اور الہامی کتاب کی وحی تو حضرت جبرائیلؑ جیسا مقدس فرشتہ لے کر آتا ہے۔ مگر اس سے اتر کر بھی وحی کی قسمیں ہیں مثلاً قرآن شریف

میں ہی آیا ہے ''اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی'' جس میں شہد کی مکھی جس طرح اپنا عجیب وغریب کام کرتی ہے۔ اسے اپنی وحی سے سکھانا فرمایا۔ اسی طرح زمین وآسمان کو بھی وحی کرنے کا ذکر ہے۔ اور غیر انبیاء جیسے حضرت عیسیٰ کے حواریوں یا حضرت موسیٰ کی والدہ کی طرف وحی بھیجے جانے کا ذکر ہے۔ قرآن کریم کی پہلی وحی میں ہی فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے قلم سے علم دیا اور انسان کو وہ علم بخشا جو وہ پہلے نہیں جانتا تھا'' اب یہاں قلم کے استعمال سے جو نسل انسانی میں علم کا فروغ ہوا ہے اسے اللہ تعالیٰ نے خود اپنا پڑھانا فرمایا ہے۔ (میں اور بہت سی مثالیں قرآن کریم سے ہی دے سکتا ہوں)۔ اسی طرح آدم یا نسل آدم کو بھی اللہ تعالیٰ نے وہ علم دیا جس کا اس رکوع میں ذکر ہے۔ اور وہ ادنیٰ قسم کی وحی والہام ہے۔ یعنی دل میں ایک خیال کو ڈالنے کے معنی ہیں۔ جو بات قرآن حکیم نے آج سے چودہ سو سال پہلے ایک اُمی صلعم کی زبانِ مبارک سے بتائی اسے آج علوم کو دنیا میں ترقی دینے والے سائنس دان جن کا سرتاج آئین سٹائن ہوا ہے۔ اس نے کہا: ''Ideas come from God'' یعنی وہ علوم کو ترقی دینے والے خیالات جن کا وہ ذکر کر رہا تھا خدا کی طرف سے آتے ہیں۔

فرمایا کہ وہ علم تھا سب کے سب ناموں کا۔ اب اگر نام کے لفظ سے ہم وہ نام سمجھیں جو ہر شئی کا ہے تو معنی بھی ہو سکتے ہیں۔ مگر وہ کوئی اعلیٰ معنی نہیں کیونکہ نام کا علم تو بہت ابتدائی علم ہوتا ہے۔ اور جیسا کہ میں بتا آیا ہوں کہ فرشتے انچارج ہیں تمام کائنات کی قوتوں اور چیزوں کے۔ مگر یہ بات دل کو نہیں لگتی کہ انچارج تو تھے مگر انہیں ان کے نام تک معلوم نہ تھے۔ اور جب آدم نے فرشتوں کو وہ نام سکھائے تو اللہ تعالیٰ کا فرمانا کہ اگر تم آدم کے بارہ میں شک کرنے میں سچے تھے تو تم نے وہ نام کیوں نہ بتائے؟ مگر انہیں شک تو یہ تھا کہ آدم کو جو اختیار دیا جا رہا ہے اس کا غلط استعمال کر کے زمین میں فتنہ یا فساد نہ کرے۔ اس کا چیزوں کے ناموں سے کیا تعلق ہو سکتا تھا؟ پھر محض چیزوں کے ناموں سے جان لینے سے آدم میں وہ کیا فضیلت آ گئی جس کی بناء پر فرشتوں کو کہا گیا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں؟ دراصل یہ نام ہیں ان تمام علوم کے جو انسان کو سکھائے گئے۔ دنیا کے علوم بہت وسعت رکھتے ہیں۔ سینکڑوں ہزاروں کتابیں ہر علم پر لکھی جاتی ہیں مگر پھر بھی اس علم کے تھوڑے بہت حصہ پر جو انسان کو ملا ہے ایک سطحی نظر پڑتی ہے۔ اب ہر علم کو بیان کرنا ہو تو اگر ہر دفعہ اس علم کی تمام باتوں کو دوہرایا جائے تو وہ ایک ناممکن بات بن جاتی ہے۔

اس کی بجائے اس علم کا بلکہ ہر علم کا نام رکھا جاتا ہے اور اس نام کو لینے سے وہ تمام علم باوجود اپنی وسعت کے فوراً اور آسانی سے انسان کے ذہن میں آ جاتا ہے۔ مثلاً علم حساب Arithmetic یا جیومیٹری یا الجبرا یا فزکس یا کمسٹری یا بیالوجی یا باٹونی یا زوآلوجی وغیرہ وغیرہ تو دراصل قرآن حکیم ان تمام علوم کا ذکر فرما رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی والہام سے انسان کو سکھائے ہیں۔ اور ہر علم کا جن قوانین یا چیزوں سے تعلق ہے اس کا صرف اتنا حصہ اس قانون یا چیز کے انچارج فرشتہ کو اللہ تعالیٰ دیتا ہے جو اس فرشتہ کے فرائض سرانجام دینے کے لئے ضروری ہے۔ مگر انسان کو اس نام بمعنی علم کا مزید علم دیا جاتا ہے کیونکہ اس نے ان قوانین یا چیزوں پر اللہ تعالیٰ کے نائب کے طور پر حکومت کرنی ہوتی ہے۔ مثلاً بجلی کے فرشتہ کو صرف اتنا علم دیا جاتا ہے جو بجلی پیدا کرنے یا اسے چلانے سے تعلق رکھتا ہے۔ مگر وہ جو اس رکوع میں فرمایا کہ ہم نے آدم بمعنی نسلِ آدم کو حکم دیا کہ فرشتوں کو علم سکھاؤ تو انسان نے بجلی سے جو سینکڑوں چیزیں بنائی ہیں اور بجلی سے جو مختلف کام لیے ہیں یہاں تک کہ پچھلے سو سال بھی بجلی کا زمانہ یا Age of Electricity کہلاتا ہے یہ تمام علم ہے جو انسان نے بجلی کے فرشتہ کو سکھایا۔

لفظ سجدہ کے لغوی معنی فرمانبرداری کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں سجدہ یعنی ماتھے کو زمین پر لگا دینے کے معنی اس لئے ہیں کہ وہ اظہار فرمانبرداری یا تذلل ہے۔ تو شریعت کے سجدہ کو تو سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو کرنا شرک ہے۔ اس لئے فرشتوں کو جو حکم ہوا کہ وہ انسان کو سجدہ کریں تو وہ اس لفظ کے لغوی معنی یعنی فرمانبرداری کے معنوں میں ہے اور ہم اس حقیقت کو اس زمانہ میں بخوبی دیکھ سکتے ہیں کہ انسان نے علوم میں ترقی کر کے کس طرح تمام قوائے قدرت کو اپنا فرمانبردار بنا لیا ہے۔ تبھی اللہ تعالیٰ نے اس رکوع میں فرمایا:

''کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کے غیب یعنی مخفی باتوں کو جانتا ہوں اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے یا چھپاتے تھے''۔

یعنی وہ باتیں جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے ذریعہ سے ظاہر کرنی تھیں وہ اللہ

تعالیٰ ہی جانتا تھا اور ابھی اور بہت کچھ مخفی باتیں آسمانوں اور زمین کی ہیں جو نہ انسان کو معلوم ہیں نہ فرشتوں کو۔ اسی طرح فرشتوں کے دل میں جو خیال آیا تھا انسان کے متعلق اسے بھی اللہ تعالیٰ جانتا تھا جس طرح وہ ان کی ظاہری تسبیح وحمد کو یا اور افعال کو جانتا تھا۔

تو فرشتوں کے سجدہ کے ذکر میں فرمایا: ''ابلیس یا شیطان نے سجدہ نہیں کیا، اس نے انکار کیا اور وہ کافروں میں سے تھا'' تو شیطان کے ذکر کو فرشتوں سے دراصل نہیں جوڑا بلکہ انسان کی فرمانبرداری سے جوڑا ہے۔ جن لوگوں نے لفظ اِلّا کو فرشتوں سے جوڑا ہے اور یہاں تک کہا ہے کہ شیطان نعوذ باللہ فرشتوں کا استاد (معلم) تھا انہوں نے غلطی کھائی ہے۔ فرشتے نورانی ہستیاں ہیں اور شیطان ناری یعنی آگ میں سے پیدا ہوا جیسا کہ آگے سورۃ اعراف ۷ میں شیطان نے خود کہا ہے ''کہ تو نے مجھے آگ میں سے پیدا کیا ہے'' (آیت ۱۲) لفظ اِلّا استثنائے منقطع ہے جس طرح ہم کہتے ہیں کہ ریلوے اسٹیشن سے سب آدمی آگئے سوائے اسباب کے۔ تو اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ اسباب بھی آدمی ہے۔ دراصل انسان کو فرشتوں کے سجدہ کرنے کے بیان میں یہ بتایا گیا ہے کہ قدرت کی سب طاقتیں تو اس کی فرمانبردار ہو جائیں گی جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا:

''یعنی آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ نے خود تمہارا فرمانبردار کر دیا ہے'' (الجاثیۃ: ۴۵:۱۳) مگر صرف ایک ہستی ہے جو انسان کی فرمانبردار نہیں اور وہ شیطان ہے۔ یہ تنبیہہ یا وارننگ نہ صرف آدم کو دی گئی بلکہ نبیوں اور الہامی کتابوں کے ذریعہ سے تمام نسلِ انسانی کو۔ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کو انسان بخوبی سمجھ نہیں سکتا۔ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ جی اللہ نے شیطان کو پیدا ہی کیوں کیا؟ اس لئے کہ جب تک بدی کا امکان شیطان کی ترغیب سے نہ ہوتا تو نیکی نیکی کہاں کہلا سکتی تھی؟ مثلاً جھوٹ کے امکان بلکہ ترغیب کے باوجود انسان سچ بولے تبھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ سچا ہے۔ اگر جھوٹ کا امکان ہی نہ ہوتا تو وہ سچائی کی خوبی کو کہاں حاصل کر سکتا یا اپنے اندر پختہ کر سکتا۔

اب اگلی آیات کو لے لیتے ہیں۔ فرمایا: ''اور ہم نے کہا اے آدم تو اور تیری بی بی جنت میں رہو اور اس میں سے بافراغت کھاؤ جہاں سے چاہو اور اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے''۔ لوگوں نے غلطی کھائی ہے کہ یہ جنت وہ آخرت کی جنت تھی جس کا وعدہ تمام ایمان لا کر اعمال صالحہ کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اوّل تو لوگ بھول تے ہیں کہ آدم کو زمین میں پیدا کیا گیا تھا جیسا کہ اس رکوع کے شروع میں صاف ذکر ہے کہ ''یعنی میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں'' پھر ابھی اس نے کون سے اعمال صالحہ اور ایمان کا ثبوت دیا تھا کہ اسے وہ جنت مل جاتی جو ایمان اور اعمال صالحہ کا انعام بلکہ ان سے بنتی ہے۔ پھر آخرت کی جنت کے لئے صاف فرمایا کہ ''یعنی اس میں سے وہ کبھی نکالے نہیں جائیں گے'' (الحجر ۱۵:۴۸) بلکہ یہ جنت اس دنیا کی ہے جس کا ذکر دوسری جگہ یوں آیا ہے ''یعنی وہ جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کے وقت سے ڈرتا ہے اس کے لئے دو جنتیں ہیں'' (الرحمٰن ۵۵:۴۶) اب اس آیت کی تفسیر میں سب مفسرین کو اتفاق ہے کہ متقی کے لئے جن دو جنتوں کا ذکر ہے اس میں سے ایک اس دنیا کی ہے۔ اب یہاں متقی بظاہر کہاں باغوں اور نہروں اور محلات میں ہوتے ہیں؟ اس لئے اس دنیا کی جنت دل کی جنت ہے اور اسے چھوٹا مت سمجھو کیونکہ اگر انسان کا دل اس دنیا میں جنت میں ہو تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ بظاہر کن حالات میں ہے۔ اور اگر دل جہنم میں ہو تو ہزار نعمتیں ظاہر میں ہوں جیسے باغ اور نہریں اور محل اور کھانے پینے کی چیزیں تو بھی ایسا انسان جہنم میں ہوتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسا درخت تھا جس کے قریب جانے سے اللہ تعالیٰ نے روکا تھا۔ کسی نے کہا ہے کہ گیہوں کا تھا کسی نے کہا کھجور کا درخت تھا کسی نے کہا انجیر کا۔ اب یہ وہ چیزیں ہیں جو خدا کے نبی اور برگزیدہ بھی کھاتے رہے۔ نہیں بلکہ ھذہ الشجرۃ میں جو اشارہ قریب ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس درخت کا ذکر ماقبل ہوا ہے اور وہاں ذکر ہے خدا کا انکار کرنے کا جس کی وجہ تکبر تھی۔ دوسری جگہ بری بات کو خود قرآن کریم نے بُرے درخت سے تشبیہہ دی

ہے جیسا کہ فرمایا: ''یعنی بُری بات کی مثال بُرے درخت کی ہے'' (ابراہیم ۱۴:۲۶) تو جس درخت سے انسان کو روکا گیا ہے وہ بدی کا درخت ہے، خدا کی نافرمانبرداری کا درخت ہے، کہ بدی درخت کی طرح جڑ پکڑ کر مضبوط سے مضبوط ہوتی چلی جاتی ہے اور بُرا پھل لاتی ہے۔

بائبل میں ہے کہ شیطان نے پہلے عورت کو پھسلایا اور عورت نے آدم کو پھسلایا اور یوں عورت نسلِ انسانی کو گناہ میں ملوث کرنے کی ذمہ دار سمجھی جاتی ہے۔ قرآن نے عورت کو اس سنگین الزام سے بری کیا۔ ہاں یہ فرما کر کہ شیطان نے دونوں کو گمراہ کیا۔ یعنی قرآن کریم نے مرد و عورت دونوں کو خبردار کیا کہ شیطان کے کہنے میں آن کر تم اس دل کی جنت سے نہ نکل جانا جس میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ اور اس اعلیٰ حالت سے جس میں انسان کو بنایا گیا ہے اس سے گر کر ذلیل نہ ہو جانا جو کہ لفظ ھبوط کے معنی ہیں۔ جو یہاں استعمال ہوا۔ تو آدم اور حوا یا کوئی بھی مرد یا عورت جو شیطان کے ورغلانے میں آن کر اس دل کی جنت کو کھو بیٹھے جس میں اسے پیدا کیا گیا ہے اسے تسلی دی کہ آدم اور حوا نے اپنے رب کی وحی سے فائدہ اٹھا کر توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف رجوع برحمت فرمایا۔ دوسری جگہ ان کی توبہ اور اصلاح کو اس دعا میں فرمایا:

''یعنی ان دونوں نے کہا کہ اے ہمارے رب، ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہم کو نہ معاف فرمایا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم یقیناً گھاٹا اٹھانے والوں میں سے ہوں گے۔''

خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو ظاہری علوم ملنا اور دنیاوی ترقیات کافی نہیں کہ اسے شیطان کے ورغلانے سے بچا سکیں۔ اس کی روشن مثال ہمارے زمانہ میں ہماری آنکھوں کے آگے مغربی اقوام کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو ان کو دنیاوی علوم سکھائے ان سے انہوں نے کائنات کی طاقتوں کو (جن کے انچارج فرشتے ہیں) اپنا فرمانبردار کر لیا مگر یہ حیرت انگیز دنیاوی علوم کی ترقیات انہیں شیطان کے پھسلانے سے بچا نہ سکیں اور وہ ان ناپاک بدیوں اور فحشاء میں پڑ گئے ہیں جن کی مثال بھی انسانی تاریخ میں کم ملتی ہے۔ ان کو نجات اب صرف قرآن پاک کے ذریعہ مل سکتی ہے جو واحد کتاب ہے جس میں وحی الٰہی جس نے آدم اور حوا کو بچا لیا تھا وہ اپنے کمال میں موجود ہے اور محفوظ ہے۔ باطنی علوم اور ہدایت جو صرف وحی الٰہی دیتی ہے وہ ہی انسان کو اس دنیا کی جنت کھو بیٹھنے اور آخرت کی جنت سے محروم ہو جانے سے بچا سکتی ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ:

''جب تم میں سے کسی کے پاس میری ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے اسے نہ خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے''۔

اب خوف اور غم جو بدیوں سے پیدا ہوتے ہیں وہ صرف وحی الٰہی نے جو ہدایت دی ہے اس کی پیروی سے دور ہوتے ہیں۔ خوف ہر بات سے پہلے ہوتا ہے۔ حزن یا غم بعد میں۔ مثلاً کسی نے جھوٹ بولا تو خوف اس کے دل میں ساتھ ہی پیدا ہوتا ہے کہ جھوٹ پکڑا نہ جائے۔ اور جب پکڑا جائے تو غم پیدا ہوتا ہے۔ خوف اور غم سے نجات دل کی جنت ہے۔ اسی باطنی جنت کو لے کر مومن کا نفس جب مرنے کے بعد اگلی زندگی میں جاتا ہے تو اسے وہاں کی ظاہری جنت بھی عطا ہوتی ہے۔ یہ ہی کامل سکھ اور خوشی کا مژدہ قرآن حکیم نے دیا ہے کہ وہ انسان کے دل میں اور باہر دونوں جگہ انسان کو جنت عطا کرنے آیا ہے۔ دل میں سکھ نہ ہو تو باہر کے باغ و سکھ کے سامان حرام ہو جاتے ہیں۔ اور دل کے سکھ کے ساتھ باہر کے سکھ مل جائیں تو ہی انسان کو مکمل راحت اور اطمینان مل سکتا ہے۔ اسی بات کو قرآن حکیم نے یوں فرمایا ہے:

''اے وہ نفس جو اطمینان پا گیا (یعنی جس نے اس دنیا میں دل کی جنت حاصل کر لی) اپنے رب کی طرف لوٹ آ۔ تو اس سے راضی، وہ تجھ سے راضی۔ سو میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان خوش نصیبوں میں سے کرے۔ آمین

☆☆☆☆

جماعتی خبریں

وفات حسرت آیات

لاہور

تمام احباب جماعت کو یہ پڑھ کر دُکھ ہوگا کہ انیس الرحمٰن مرحوم کے صاحبزادے اعجاز الرحمٰن صاحب اس جہان فانی سے کوچ کر گئے ہیں۔

''بے شک ہم سب اللہ ہی کے لئے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے''

اللہ تعالیٰ ان کے خاندان والوں کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

تمام احباب جماعت کو یہ پڑھ کر دِلی دُکھ ہوگا کہ مسز چوہدری سعادت احمد صاحبہ کے بھائی انتقال فرما گئے ہیں۔

''بے شک ہم سب اللہ ہی کے لئے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے''

اللہ تعالیٰ ان کے خاندان والوں کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

فجی

تمام احباب جماعت کو یہ پڑھ کر دُکھ ہوگا کہ محبوب رضا صاحب کی ممانی وفات پا گئی ہے۔

''بے شک ہم سب اللہ ہی کے لئے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے''

اللہ تعالیٰ ان کے خاندان والوں کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

انڈیا

تمام احباب جماعت کو یہ پڑھ کر دُکھ ہوگا کہ انڈیا میں ہمارے سینئر ممبر محترم جنید اختر صاحب جن کی عمر تقریباً 70 سال تھی اس جہان فانی سے کوچ کر گئے ہیں۔

''بے شک ہم سب اللہ ہی کے لئے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے''

اللہ تعالیٰ ان کے خاندان والوں کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆

تقریب عید میلاد النبیؐ

تمام احباب وخواتین کو مطلع کیا جاتا ہے کہ مرکزی انجمن مورخہ 2 فروری 2013ء بروز ہفتہ بعد از نماز عصر بمقام جامع دارالسلام میں **''عید میلاد النبیؐ''** کے حوالے سے ایک بابرکت تقریب منعقد کر رہی ہے۔

تمام احباب وخواتین اور بچوں سے خصوصی شرکت کی درخواست کی جاتی ہے۔

تقریب کے اختتام پر حاضرین کی خدمت میں عشائیہ پیش کیا جائے گا۔

☆☆☆☆

باہتمام پاکستان پرنٹنگ ورکس کچا رشید روڈ لاہور سے چھپوا کر پبلشر چوہدری ریاض احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح، دارالسلام۔ ۵۔ عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن لاہور سے شائع کیا۔

منزل بے نشاں

عامر عزیز الازہری (۵ جنوری ۲۰۱۳)

زندگی تشنہ ہی سہی زندگی تو ہے

بندگی شرمندہ ہی سہی بندگی تو ہے

چراغ محبت بجھ گئے نفرت کی آندھیوں سے

اس بزم کے سجانے کو باقی درندگی تو ہے

جوروالم ہیں کہ جبال کے سلسلے

ظلمت کدے میں امید کی تابندگی تو ہے

مقتول ہے حیران اور قاتل بے نشاں

مقتل میں ارزاں خون کی رخشندگی تو ہے

تہی دست منزل بے نشاں ہی سہی عزیزؔ

عظمت رفتہ کے لٹ جانے کی پراگندگی تو ہے

لو، آفتابِ دین بھی رُوپوش ہو گیا

از: محمد اعظم علویٰ

لاؤں کہاں سے روز نئے نوحہ گر کو میں　　بہلاؤں کس طرح بھلا قلب و نظر کو میں
روؤں تو کیسے یورشِ آہِ سحر کو میں　　سہلاؤں کیسے سوزشِ زخمِ جگر کو میں

لو، آفتابِ دین بھی روپوش ہو گیا
بیٹھے بیٹھائے ناگہاں خاموش ہو گیا

دل کے لئے نہ کم تھا عزیزِ جہاں کا غم　　اشکوں کے تار توڑ نہ پائی تھی چشمِ نم
ہر عزم رستخیز پہ تھی یورشِ الم　　اے جانِ قوم کیسے میں توڑا ہے تو نے دم

مانا ستارہ گیر تھے، عالی مقام تھے
لیکن نہ رہ نوردی میں یوں تیز گام تھے

محکم رفاہِ عام کے تھے تجھ سے حوصلے　　انسانیت کی رُوح، تیرے دل کے ولولے
تشنہ ہیں کتنے، دین کے پیچیدہ مسئلے　　جنت سے کھینچ لاؤں اگر میرا بس چلے

رہ تک رہے ہیں تیری ورق جو حدیث کے
آئے ہیں کچھ مریض بھی دُور و قریب سے

ہر عزم کے کمال کی ضامن تھی تیری جاں　　ہر درد کی دوا تھا تیرا قلبِ ناتواں
تجھ سے امنگ دین ہدیٰ کے لئے کہاں　　کس جانِ گلستاں پہ پڑی چشمِ آسماں

غم بن کے تیری یاد کچھ اس طرح چھائے گی
برسوں دلوں سے خون کے آنسو رلائے گی

تیرے الم کا اب یہ تقاضا ہے دمبدم　　ہوں سب برائے خدمتِ خلقِ خدا بہم
وعدہ رہا، بفضل خدائے شہِ اُمم　　اب تھام کر خلوص کی تقدیس کی علم

انسانیت کی شمعیں جہاں بھی جلائیں گے
تیری تڑپ کو جزوِ رگِ جاں بنائیں گے